اعتدال وتوازن کی راہ پر

قرآن کی حاکمیت اور سنت کا مقام

REVIVING THE BALANCE

The Authority of the *Qur'an* and the Status of the *Sunnah*

TAHA JABIR ALALWANI

طٰہٰ جابر علوانی

IIIT Books-In-Brief Series

اعتدال وتوازن کی راہ پر
قرآن کی حاکمیت اور سنت کا مقام

مصنف

طٰہٰ جابر علوانی

تلخیص: وانڈا کراؤز

مترجم

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

© IIIT, 1444 AH / 2023 CE
IIIT, P.O. Box 669, Herndon, VA 20172, USA • www.iiit.org
P.O. Box 126, Richmond, Surrey TW9 2UD, UK • www.iiituk.com

اس کتاب کے حقوق محفوظ ہیں۔ قانونی ضوابط اور متعلقہ اجتماعی لائسنس معاہدوں کی دفعات کے تحت اس
کتاب کے کسی حصے کو ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر دوبارہ شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ISBN: 978-93-80946-46-7

کتاب میں پیش کیے گئے خیالات کا ناشر کے خیالات سے ہم آہنگ ہونا ضروری نہیں ہے۔ کوئی
تیسرا شخص کتاب کو ویب سائٹ یا کسی اور ذریعے سے عام کرتا ہے، تو اس کے مصدرِ اصلی کے
مطابق ہونے کی ذمہ داری ناشر کی نہیں ہے۔

اعتدال وتوازن کی راہ پر: قرآن کی حاکمیت اور سنت کا مقام
(اردو)
Etedal Wa Tawazun ki Rah Par: Qur'an ki Hakimiyat Aur
Sunnat ka Maqam
طٰہٰ جابر علوانی
مترجم: پروفیسر عبدالرحیم قدوائی
اصل کتاب Reviving the Balance: The Authority of the Qur'an and the Status of the
Sunnah کا ترجمہ
آئی آئی آئی ٹی کی مختصر کتابوں کا سلسلہ
اصل انگریزی کتاب آئی آئی آئی ٹی سے ۲۰۱۸ میں شائع ہوئی۔
ہندستان میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی سے پہلے اردو ترجمے کا سالِ اشاعت ۲۰۲۳

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز
162، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
email: ios.newdelhi@gmail.com / www.iosworld.org

تقسیم کار

الاتحاد پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
B-35، نظام الدین (ویسٹ)، نئی دہلی-110013
Tel.: +91-11-41827475, 24352732, 24352048
email: alittehad@gmail.com

قیمت: -/50

فہرست

آئی آئی آئی ٹی مختصر کتب کا سلسلہ ۵

پیش لفظ ۷

باب اوّل-نبوت اور نبی کے فرائض ۹

نبی بطور پیغمبر اور بشر ۹

قرآن میں انبیا کا تذکرہ ۱۱

انبیا کے فرائض ۱۲

خاتم النبیین محمدؐ کے فرائض ۱۳

ماقبل کی کتب الٰہی اور قرآن میں آیات کا تذکرہ ۱۴

باب دوم-سنت بطور تصور اور بطور تکنیکی اصطلاح ۱۷

سنت کا تصور اور اس کا تاریخی ارتقا ۱۷

بعد کے ادوار میں سنت کی اصطلاح ۱۸

تصور سنت کا معنیاتی ارتقا ۱۹

رائے کے تصور کا ارتقا ۲۰

نص کے تصور کا ارتقا ۲۱

باب سوم-قرآن بطور تخلیقی ماخذ اور سنت بطور عملی وضاحت ۲۳

وحی کا تصور ۲۳

سنت اور نظریۂ بیان ۲۴

قرآن کی روشنی میں سنت کا مطالعہ ۲۴

باب چہارم- بیانیہ کا بڑھا ہوا کردار ایک تاریخی سرسری جائزہ ۲۷
وہ نسل جس نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا ۲۷
راویوں کی نسل کا ظہور ۲۸
فقہ اور فقہا کی نسل ۲۹
مقلدین کی نسل ۳۰
باب پنجم- سنت کی تاریخ اور اس کا تاریخی پس منظر ۳۳
سنت کی تاریخ اور یہودی اور یونانی تہذیب کا اثر ۳۳
متن حدیث کی تحریر کے بارے میں احادیث ۳۴
باب ششم- روایات سنت کی حاکمیت ۳۷
سنت کی روایات کی حاکمیت صحابہ اور بعد کے دور میں ۳۸
بعد کے محدثین پر اصولی طریقۂ کار کا اثر ۳۹
راوی کی جانچ پرکھ: معروضیت اور داخلیت ۴۰
علم الرجال میں مستعمل اصطلاحات ۴۱
راویوں کو پرکھنے کے طریقے میں خامیاں ۴۱
راویوں کی قوت حافظہ ۴۲
اسناد کی تنقید بنام متن کی تنقید ۴۳

❖❖❖

آئی آئی آئی ٹی مختصر کتب کا سلسلہ

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی مختصر کتابوں کا یہ سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، جنھیں خلاصے کی شکل میں اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہو جائے۔ مختصر، پڑھنے میں آسان اور وقت کو بچانے والی یہ اجمالی تحریریں دراصل بڑی بڑی کتابوں کے انتہائی موزوں اور احتیاط سے تحریر کردہ خلاصے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتابچے قارئین کو اصل کتاب کے مطالعے پر ابھاریں گے۔

''اعتدال وتوازن کی راہ پر: قرآن کی حاکمیت اور سنت کا مقام'' اس عنوان کی یہ کتاب قرآن اور رسول اکرمؐ کے اقوال اور افعال یعنی سنت [1] کے درمیان تعلق کی وضاحت کرتی ہے۔ اس تعلق کو مختلف طرح سے واضح کیا گیا ہے۔ فضلا نے اپنے علم اور مہارت کی مدد سے اس تعلق کو بیان کیا ہے اور اسی کے باعث محدثین نے سنت کے بارے میں اپنا رویہ اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہی اور فلسفیانہ مکاتب فکر کا سنت کے بارے میں اپنا اپنا اور مختلف موقف ملتا ہے۔ یہ موقف اس عالم کے پس منظر اور سیاق وسباق پر بھی منحصر ہے۔ اسی طرح کسی راوی کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے کے پس پشت مختلف فقہی، دینیاتی اور فلسفیانہ اصولوں کی کارفرمائی ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر کسی راوی کو منظور یا غیر منظور کیا جاتا ہے اور کسی حدیث کو تسلیم یا خارج کیا جاتا ہے یا اس کی تشریح نو کی جاتی ہے۔ حدیث کے متن کی قبولیت یا انکار کے معیار کے بارے میں بھی فیصلہ ان ہی اصولوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

رسول اکرمؐ کے دور میں یہ سوال کبھی اٹھا ہی نہیں کہ سنت کے بارے میں کیا رویّہ اختیار کیا جائے کیوں کہ آپؐ صحابہ کرام کے لیے قابل تقلید مثال تھے اور آپؐ قرآن پر عامل تھے۔ آپؐ ہی

نے تعلیمات قرآنی کو عملی شکل میں پیش کیا اور ان کو روزمرہ کی زندگی اور برتاؤ کا متعین حصہ بتایا اور زندگی کے تمام معاملات میں قرآن کو بطور ہدایت نامہ پیش کیا۔ قرآن میں تمام امور کی صراحت ملتی ہے اور اسوۂ رسولؐ سے یہ جامع عملی سبق ملتا ہے کہ تعلیمات قرآنی پر کیسے عمل کیا جائے۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کہ سنت اپنا عملی کردار بھرپور طور پر ادا کرے، رسول اکرمؐ نے قرآن کے علاوہ کسی اور ماخذ سے مسلمانوں کو رجوع کرنے سے منع فرمایا تاکہ ان کی پوری توجہ صرف قرآن پر رہے۔ البتہ سنت کے جمع اور تدوین کے بعد مسلمانوں نے قرآن کو نظر انداز کرنا اور سنت کو اس بنیاد پر ترجیح دینا شروع کر دیا کہ رسول اکرمؐ کے اقوال اور افعال پر مشتمل سنت قرآن ہی پر مبنی ہے۔ پھر مسلمانوں نے سنت کو نظر انداز کرنا اور فقہ کو ترجیح دینا شروع کر دیا کہ فقہی کتب میں قرآن اور سنت دونوں شامل ہیں۔ یہ کتاب اسی سنگین مسئلے کے بارے میں ہے اور اس تنازعے سے براہ راست متعلق ہے۔ سنت نبوی اور اسلامی روایت سے وابستہ افراد کے درمیان اختلافات سے بھی متعلق ہے۔ اس کتاب میں ایسے معیارات تجویز کیے گئے ہیں جن سے فضلا کو اس مقصد میں مدد ملے کہ کس طرح قرآن اور سنت کے درمیان تعلق بحال ہو۔ سنت نبوی قرآن سے ایسے بھرپور انداز میں متعلق ہونا چاہیے کہ دونوں کے درمیان کوئی تنازعہ نہ ہو اور اس طرح اپنی روزمرہ کی زندگی میں درپیش مسلمانوں کو متعدد سماجی، معاشی، فکری اور روحانی مسائل کے بارے میں اسلام ان کی رہ نمائی کرے۔

طٰہٰ جابر علوانی کی درج ذیل اصل تصنیف کا مختصر ایڈیشن:

Reviving the Balance: The Authority of the Qur'an and the Status of the Sunnah

ISBN hbk: 978-1-56564-691-9

ISBN pbk: 978-1-56564-690-2

2016

پیش لفظ

یورپ کے صنعتی انقلاب نے زندگی کے ہر گوشے کو متأثر کیا۔ اس سے فرد بھی متأثر ہوا اور معاشرہ بھی۔ ایک طرف نئے نئے مسائل سامنے آئے تو دوسری طرف انسانی زندگی مشینی زندگی میں تبدیل ہوگئی۔ عام انسان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں بچا کہ وہ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالے اور پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کرے۔ لیکن اس صورت حال کے نتیجے میں جدید مسائل کے انبار پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ روز بہ روز ایک نیا مسئلہ سر اٹھاتا اور اہل علم کو دعوتِ فکر و تحقیق دیتا رہا۔ الحمدللہ اہل علم نے اپنی ذمے داری کو محسوس کیا۔ نئے مسائل کو فکر اسلامی کے تناظر میں حل کرنے کی شان دار کوششیں کیں اور بڑے اہم موضوعات پر چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں علمی وفکری مواد پیش کیا۔ گویا دریا کو کوزے میں سمو دیا، تاکہ ہر صاحبِ علم کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو جائے۔

زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں عہد حاضر کے ایک سلگتے ہوئے موضوع پر بڑے علمی وفکری انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ موضوع کے تمام علمی گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے مصنف نے پوری مضبوطی کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر دیا ہے، تاکہ موضوع کی اہمیت واضح ہو۔ اس کے مختلف گوشے سامنے آئیں اور عصری تناظر میں اس کو فکر و تحقیق کا موضوع بنانے کی راہ ہم وار ہو۔

ہمیں امید ہے کہ مختصر کتابوں کا یہ پورا سلسلہ وقت کے بہت سے اہم موضوعات پر علمی و تحقیقی مطالعے کی راہ ہم وار کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم
چیئرمین
انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

باب اول
نبوت اور نبی کے فرائض

نبی بطور پیغمبر اور بشر

اللہ کا آخری، حتمی پیغام ماقبل کے تمام انبیا کے تجربات کا احاطہ کرتا ہے۔ قرآن میں ماقبل کے انبیا کے تجربات کا ذکر کیا گیا ہے اور الوہیت اور نبوت کے درمیان فرق کو نمایاں کیا گیا ہے تا کہ کوئی نئی امت اپنے سے قبل ان امتوں کی غلطی کو نہ دہرائے جنھوں نے نبوت اور الوہیت کے درمیان فرق کو نظر انداز کر دیا تھا۔ انھوں نے انسان کی آزادئ انتخاب اور حکم الٰہی کے درمیان فرق کو بھی نہیں سمجھا تھا۔ نبوت کے تصور کے ذکر میں قرآن نے نبی کی بشریت کو اجاگر کیا ہے۔ امت کا یہ فرض ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے نبی کے لائے ہوئے احکام کی اطاعت کرے۔ ہر نبی نے اپنی امت کو یہ خبردار کیا کہ وہ نبی کی عظمت اور عقیدت میں غلو نہ کرے۔ عربی اصطلاحات نبوت اور نبی لفظ نبأ سے مشتق ہیں جس کے معنی اعلی اور بلند ہیں۔ البتہ ایک مرحلے میں امت مسلمہ ایسے اختلافات کی زد میں تھی کہ مسلمانوں نے نبی کے بارے میں انتہا پسند رائے کو اختیار کیا۔ بدوی عربوں میں یہ خیال عام تھا کہ نبی محض ایک قبائلی سردار ہوتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں یہ تصور تھا کہ نبی ایک ایسا فرد ہوتا ہے جو وحی کی بنیاد پر لوگوں کو امور غیب سے مطلع کرتا ہے۔ قدیم عبرانی زبان میں نبی کے لیے استعمال لفظ کے معنی ایک ایسے شخص کے ہیں جو احکام کے بارے میں گفتگو کرتا ہو۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق نبی وہ شخص ہے جسے اللہ نے وحی سے سرفراز کیا ہو۔

عربی اصطلاح ''رسول''، فعل'' ''أرســــــل'' (مادہ ر۔س۔ل) سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہوتا ہے بھیجنا۔ سورہ مریم میں لفظ ''ارسال'' منفی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس

سے مراد ہے کہ اللہ نے ایسے لوگوں کے خلاف شیطانی قوتوں کو آزاد چھوڑ دیا جنھوں نے جان بوجھ کر کفر اختیار کیا تھا۔ اللہ کی جانب سے انبیا کو ارسال (بھیجنے) کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو آخرت سے خبردار کریں۔ قرآن کے مطابق نبی اور رسول میں کچھ امتیاز پایا جاتا ہے۔ نبی کو اللہ کا پیغام موصول ہوتا ہے البتہ رسول کو جو پیغام ملتا ہے، اس کی نوعیت حکم کی ہوتی ہے جب کہ نبی کو ملنے والے پیغام میں کوئی نیا حکم الٰہی شامل نہیں ہوتا۔ نبی کا فرض لوگوں کی رہ نمائی کرنا اور ان کو تعلیم دینا ہے تاکہ وہ ماقبل کے پیغمبروں کے پیغام پر عمل کریں۔ نبی کا بنیادی فرض تعلیم دینا ہے اسی لیے وہ ماقبل کے انبیا کے پیغام کی تعلیم دینے کا پابند ہوتا ہے۔

عربی اصطلاح ''عصمت'' کے لحاظ سے بھی قرآن کے مطابق نبی اور رسول میں فرق ہوتا ہے۔ عصمت کے معنی ہیں اللہ کی طرف سے حفاظت۔ نبی کو یہ الٰہی حفاظت نہیں ملتی۔ اسی لیے دیگر انسانوں کی طرح، بعض انبیا قتل کے بھی شکار ہوئے۔ نبی بشری کم زوریوں سے بھی نہیں محفوظ ہوتا ان سے غلطی، بھولنے یا حکم عدولی کا امکان ہوتا ہے۔ رسول کو حاصل عصمت یا الٰہی حفاظت کے دو پہلو ہیں: وہ قتل کیے جانے سے محفوظ رہتا ہے اور وہ وحی کا پیغام عام کرنے میں کسی بھی غلطی سے محفوظ رہتا ہے۔ وحی نبی کے حافظے میں محفوظ رہتی ہے اور لوگوں تک اس پیغام کو پہنچانے کا اس کا طریقہ ترسیل بھی محفوظ رہتا ہے۔ جب رسول وحی کا پیغام پہنچانے کا اپنا فرض پورا کر لیتا ہے تو پھر بطور نبی اس کے فرائض شروع ہوتے ہیں۔ نبی وحی پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے وہ وحی کی تعلیم لوگوں کو دیتا ہے اور اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

البتہ نبوت سے نبی کی بشریت ختم نہیں ہوتی بلکہ بطور نبی وہ استاد اور عالم کا فرض ادا کرتا ہے۔ رسول کی بشریت بھی ختم نہیں ہوتی اور بطور نبی بھی وہ اپنا فرض انجام دیتا ہے۔ بلکہ رسول بطور نبی اور بطور بشر اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ قرآن میں رسول کا یہ قول ملتا ہے: ''میں تم جیسا ہی ایک بشر ہوں'' (الکہف: ۱۱۰)۔ چوں کہ نبی استاد ہوتا ہے اور تمام انبیا بہترین علما ہیں، اسی لیے نبی اجتہاد کا اہل ہوتا ہے۔ اپنی تعلیم، تبلیغ، وحی سے معلومات برآمد کرنے، فتوی جاری کرنے اور لوگوں کو دعوت دینے کے عمل میں نبی اجتہاد سے کام لیتا ہے۔ اگر کوئی نبی رسول بھی ہے تو وہ وحی پر بھی عمل درآمد کرتا ہے۔ غرضیکہ نبی اور رسول کے درمیان تین امتیازات ہیں: ۱) پیغام کی نوعیت ۲) الٰہی حفاظت کی قسم اور ۳) اجتہاد پر عمل۔ یہ ایک متفق امر ہے کہ رسول ایسا نبی ہے جس پر

احکام الٰہی نازل ہوئے ہوں۔ نبی رسول کا مطیع ہوتا ہے اسی لیے یہ مقولہ عام ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے البتہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ نبوت کا تعلق زماں اور مکاں سے ہوتا ہے اس کے بالمقابل رسالت آفاقی ہوتی ہے اور رسول کے انتقال کے بعد بھی اس کی رسالت کا پیغام جاری رہتا ہے۔ اس امتیاز کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمدؐ کا بطور نبی پیغام عربوں کے لیے تھا جب کہ بطور رسول آپ کا پیغام دنیا کے ہر مقام کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔

قرآن میں انبیا کا تذکرہ

قرآن میں انبیا کا تذکرہ اور ان کے بارے میں ہمارے رویے کے لیے عمومی ہدایات ملتی ہیں۔ بنی اسرائیل کو مبعوث انبیا کے خلاف بے بنیاد الزامات کو قرآن نے دور کیا ہے اور ان کی بشریت کو نمایاں کیا ہے (الانبیاء: ۷،۸)۔ قرآن اور سنت دونوں میں انبیا کی عصمت پر اصرار ملتا ہے اور یہ صاف طور پر درج ہے کہ کوئی بھی نبی کسی بڑے گناہ میں ملوث نہیں ہوسکتا۔ انبیا کو بھیجنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ ان کی مثال پر عمل کریں۔

سورۃ الانبیاء (آیت: ۹۲) میں یہ صراحت ہے کہ تمام انبیا ایک ایسا واحد، مشترک گروہ ہیں جو اپنے پیغام اور اس کے ماخذ، اور الٰہی احکام اور تزکیۂ نفس کی دعوت اور روئے زمین پر انسانی تہذیب کے قیام کی کوشش کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ قرآن میں انبیا اور رسولوں کے درمیان مماثلت اور اختلاف کا بھی ذکر ہے۔ ان کے پیغام میں مشترک نکات بھی ہیں اور فرق بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیغام کے یہ چار بنیادی پہلو ہیں: عقیدہ، انسانی اقدار اور اخلاق، وحی پر مبنی قانون الٰہی اور سماج میں لوگوں کے آپسی تعلقات۔ البتہ ہر معاشرے میں زماں اور مکاں کی تبدیلیوں کے باعث قوانین کی تفصیلات میں فرق آتا رہتا ہے۔

اصول فقہ اسلامی کے فضلا کے اس سوال کے بارے میں کم سے کم تین جوابات ملتے ہیں کہ کیا اپنی بعثت سے قبل اور بعد میں رسول اکرمؐ نے اپنے سے قبل کے انبیا کے احکام اور روایات کے مطابق عبادت انجام دی۔ فضلا کے ایک گروہ کی رائے میں آپؐ نے اپنے سے پہلے انبیا کے رسم و رواج کے مطابق عبادت نہیں ادا کی۔ دوسرے گروہ کا اصرار ہے کہ آپؐ قدیم طریقے کے

پابند رہے۔ تیسرے گروہ میں وہ فضلا شامل ہیں جن کی اس بارے میں کوئی رائے نہیں ہے۔ اس بارے میں غلطی کی وجہ قرآن کی عبارت کی فہم میں کمی ہے۔ مثال کے طور پر دوسرے گروہ کے فضلا اس بارے میں سورہ الانعام کے اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں جس میں اللہ نے رسول اکرمؐ کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہدایت پانے والوں کے نقش قدم پر چلیں (الانعام: ۹۰) اسی طرح وہ اس سورہ النحل کی آیت ۱۲۳ کو بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن سورہ الاعراف میں یہ حکم ہے: ''اے نبی لوگوں سے کہیے میں تم سب کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں۔ زمین اور آسمان سب اللہ ہی کے ہیں۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ صرف وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔'' (الاعراف: ۱۵۸)۔ مختصراً، یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمام انبیا اور رسولوں کو بھیجے گئے پیغام کی بنیاد ان مختلف، متعین نکات پر ہے: اللہ کی وحدانیت، انبیا کی مکمل بشریت اور ان کے پیغام کی صداقت اور تمام انبیا کو یہ حکم کہ اللہ کے بھیجے گئے پیغام پر وہ عمل کریں۔

انبیا کے فرائض

اللہ نے اپنے انبیا اور رسولوں کے سپرد مختلف ذمہ داریاں اور فرائض کیے جن کو پورا کرنا ان پر لازم تھا۔ قرآن نے پچھلی امتوں کی مثالیں دی ہیں جن کا اپنے انبیا کے بارے میں تصور مسخ ہوگیا تھا۔ قرآن ان غلطیوں کو دہرانے کے خلاف خبردار کرتا ہے۔ اس نے تمام انبیا کی معصومیت اور بشریت کو نمایاں کیا ہے اور ان کو دیے گئے معجزوں کی وضاحت کی ہے۔ قرآن کے مطابق انبیا کی بشری صلاحیتیں محدود ہیں اور لوگوں پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ انبیا کی پیش کی ہوئی تمام نشانیاں اصل میں اللہ کا کارنامہ ہیں۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اللہ نے یہ معجزے اس لیے ظاہر کیے تاکہ ان کے پیغام کی صداقت سامنے آئے: ''(اے نبی کہیے:) میں تمھارے ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ تمھارا خدا خدائے واحد ہے۔ لہٰذا اس کے سیدھے راستے پر چلو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔'' (فصلت: ٦)

ماضی میں انبیا کو دی گئی وحی میں احکام تھے اور ان پر عمل کا مطالبہ کیا گیا۔ ان انبیا نے اسی کی تعلیم لوگوں کو دی اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ ان الٰہی احکام پر کیسے عمل کیا جاسکتا ہے غرضیکہ انھوں نے

تقوی کو فقہی شکل دی۔ ان کی یہ عملی مثال بذات خود مقصود نہ تھی بلکہ یہ وحی کی توسیع تھی۔ توریت میں موسیٰ، ہارون اور ان دیگر انبیا کا تذکرہ ہے جو بنی اسرائیل کے لیے بھیجے گئے تھے ان انبیا نے بنی اسرائیل کو وحی الٰہی سے مطلع کیا، اس پر عمل کی دعوت دی اور اس کی خلاف ورزی کے خلاف خبردار کیا۔

خاتم النبیین محمدؐ کے فرائض

آپؐ کا پہلا فرض تلاوت تھا۔ اللہ نے آپؐ کو حکم دیا کہ وہ قرآن کی تلاوت کریں اور اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ سورہ آل عمران میں مذکور ہے: اللہ نے مومنین پر یہ فضل کیا کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک شخص کو رسول مقرر کیا کہ وہ پیغام الٰہی کو ان تک پہنچائیں، ان کا تزکیہ کریں اور ان کو احکام الٰہی اور حکمت کا درس دیں۔ (آل عمران: ۱۶۴)۔ عربی لفظ ''یتلو'' کا مطلب تلاوت کرنا ہے اللہ کا قول ہے: ''سورج اور اس کی چمک دار روشنی پر غور کرو اور چاند کو دیکھو کہ کیسے وہ سورج منعکس کرتا ہے۔'' (الشّمس: ۱،۲)۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ چاند سورج کا تعاقب کرتا ہے۔ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے اس لحاظ سے وہ سورج کا جانشین یا تابع ہے۔

آپؐ کا دوسرا فرض تبلیغ یعنی اپنی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا۔ فعل ب۔ل۔غ اور اس کی مشدد شکل بلغ کے معنی اپنی منزل پہنچنا ہے یہ منزل جغرافیائی، مکانی یا استعارۃ ہوسکتی ہے۔

آپؐ کا تیسرا فرض بیان تھا۔ اس کا ایک مقصد تفہیم قرآن کے بارے میں اختلافات کو کم سے کم کرنا تھا۔ الفاظ، اعمال اور افعال کو قبول یا رد کرنے کے ذریعے وحی کے معنی واضح کیے گئے۔

آپؐ کا چوتھا فرض نصیحت کرنا تھا۔ قرآن میں ذکر ہے کہ پیغمبر ہود نے کہا ''اے میری قوم کے لوگو! مجھے کوئی ضعف دماغ نہیں ہے۔ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ میں تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں۔'' (الاعراف: ۶۷،۶۸)

آپؐ کا پانچواں فرض کتاب اور حکمت کی تعلیم تھا۔ سورۃ الجمعہ میں ذکر ہے: ''اللہ نے اُمّی لوگوں میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے پیغام الٰہی کی تلاوت کرے، ان کا تزکیۂ نفس کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کا درس دے جب کہ اس سے قبل وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔'' (الجمعہ: ۲)۔ حکمت ایک جامع تصور ہے جس میں قوانین کائنات اور انسانی علم اور انکشافات شامل ہیں۔

آپؐ کا چھٹا فرض تزکیۂ نفس تھا سورہ الجمعہ میں آتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے لوگوں کا تزکیۂ نفس کیا تا کہ ان کے تقویٰ میں اضافہ ہو۔(الجمعہ:۲)

آپؐ کا ساتواں فرض اتباع تھا۔اس عربی لفظ کے معنی کسی کے نقش قدم پر چلنا ہے۔اللہ فرماتا ہے:''جولوگ میری ہدایت کا اتباع کرتے ہیں ان کے لیے کوئی خوف یا غم نہیں۔''(البقرہ:۳۸) اتباع زبانی طور پر بھی ہے اور عملی طور پر بھی۔

آپؐ کا آٹھواں فرض تعلیم دینا تھا۔اللہ نے آپؐ کو اس سے قبل کے ہدایت یافتہ لوگوں کی اقتدا کا حکم دیا(الانعام:۹۰)۔قائد ثبوت اور شہادت کی مدد سے قیادت کرتا ہے جب کہ ایک نبی بھلائی اور نیکی کے ذریعے تعلیم دیتا ہے۔

آپؐ کا نواں فرض لوگوں کو حق کی تعلیم دینا تھا۔ہدایت پانے کا تعلق ہمارے مقصد سے ہوتا ہے ہم دنیاوی یا روحانی معاملات کے بارے میں کیا انتخاب کرتے ہیں ان کا تعلق بھی ہدایت سے ہوتا ہے۔اللہ نے ستارے بنائے ہیں تا کہ لوگ زمین یا سمندر پر تاریکی میں راستہ تلاش کریں۔(الانعام:۹۷)۔

آپؐ کا دسواں فرض لوگوں کو یہ تعلیم دینا ہے کہ وہ آپؐ کی مثال پر چلیں۔آپؐ کے اعمال اور افعال مختلف اسباب کا نتیجہ تھے اور ان سب سے احکام اور فتویٰ برآمد ہوتے ہیں۔

آپؐ کا گیارھواں فرض بطور''مہیمن''ہے۔مہیمن کے معنی برتری ہے۔سورہ المائدہ میں اللہ رسول اکرمؐ سے فرماتا ہے:''ہم نے آپؐ کو یہ کتاب الٰہی عطا کی ہے جو حق پیش کرتی ہے۔ ماقبل کی کتب الٰہی میں جو کچھ حق باقی رہا ہے یہ کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے اور یہ مطلع کرتی ہے کہ ان کے کون سے اجزا برحق ہیں۔''(المائدہ:۴۸)

ماقبل کی کتب الٰہی اور قرآن میں آیات کا تذکرہ

اللہ نے بعض متعین انبیا کا انتخاب لوگوں کو اپنے پیغام اور ہدایت بھیجنے کے لیے کیا۔حکم الٰہی کی بدولت انبیا وحی الٰہی موصول کرنے کے اہل ہوئے اور فرشتوں کی وساطت سے روحانی قوت حاصل کرنے میں کام یاب ہوئے۔اللہ نے ان کو اپنے پیغام کی دعوت دینے کا اہل بنایا اور ان کو اپنی امتوں سے منسلک کیا۔قرآن کے مطابق ہر دور کے لوگوں نے اپنے اپنے انبیا سے آیات پیش

کرنے کا مطالبہ کیا۔ دو اصطلاحات ''معجزہ'' اور ''آیت'' کے بارے میں خاصا انتشار ذہنی پایا جاتا ہے۔ مندرج ذیل دس اہم نکات سے ان کی حقیقت واضح ہوگی۔

۱۔ انبیا کے معجزوں کا تذکرہ عام ہے۔ قرآن کی رو سے ان کا انبیا کی آیات سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے۔ معجزے کے شاہدوں کے بارے میں ان کی نافرمانی اور ضد کا بھی رویہ ملتا ہے۔ آیت میں بھی معجزے کا عنصر شامل ہے لیکن آیت معجزاتی واقعے کو بہ طور سند پیش کرتی ہے لہٰذا آیت کا مقصد اس کے شاہدوں کو ذہنی طور پر تیار کرتا ہے تاکہ وہ اس پیغام اور پیغمبر کے بارے میں زیادہ توجہ دیں اور ان کو غور کے ساتھ سنیں۔

۲۔ قرآنی اصطلاح معجزہ اعجاز سے ماخوذ ہے اور اس کا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انبیا اپنے پیغام کی صداقت کے لیے آیات کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ درحقیقت معجزہ اور آیت کی اصطلاحات ایک دوسرے کے ہم معنی نہیں ہیں۔

۳۔ آیت کا مطلب نشانی یا اشارہ ہے۔ قرآن کے ایک جملے کے لیے آیت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

۴۔ رسول اکرمؐ نے آیت کے سیاق وسباق میں کبھی اصطلاح معجزے کا استعمال نہیں کیا بلکہ قرآنی اصطلاح آیت ہی کا ذکر کیا۔

۵۔ قرآن میں استعمال آیت کا لفظ اور تصور اس عربی لفظ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب قائم ہونا ہے۔ یہ لفظ ارفق کے مترادف ہے جس سے مراد مفید ہونا یا ٹھکانہ فراہم کرنا ہے۔

۶۔ قرآن کے ایک جزو کو آیت کہا جاتا ہے۔ اس آیت اور خالص منطقی طور پر استعمال اصطلاح آیت کے بیچ فرق کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ قرآن کا ہر وہ جملہ جو کسی حکم پر مشتمل ہے یا جس کے معنی واضح ہیں آیت کہلاتا ہے۔ اسی بنیاد پر ہم قرآن کی سورہ میں آیات کی تعداد شمار کرتے ہیں۔ اصطلاح آیت کے یہ تین معنی ہیں: کائنات میں ظاہری قوانین، سماجی اشارے جو ہمیں انبیا کے قصوں میں ملتے ہیں اور قرآن کی آیات۔

۷۔ جہاں تک انبیا کی آیات کا معاملہ ہے قرآن میں یہ بطور واحد اور جمع دونوں استعمال ہوا ہے۔ سورہ المومنون میں یہ بطور واحد ہے: ''ہم نے جیسا موسیٰ کا درجہ بلند کیا، اسی طرح ہم

نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو (اپنے فضل کی) ایک نشانی بنایا۔'' (المومنون: ۵۰)۔ یہاں بظاہر دو افراد کے لیے واحد کا صیغہ اس لیے آیا ہے کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم کے درمیان تعلق ایک بڑی نشانی ہے۔ موسیٰ کے حوالے سے قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو نو نشانیاں دیں۔ (الاسراء: ۱۰۱)

۸۔ قرآن میں مذکور آیات یا نشانیاں ہمارے اندر خوف یا ہیبت پیدا کرتی ہیں اور ہمارے لیے چیلنج کے طور پر ہیں۔ دیکھیے الاسراء: ۵۹

۹۔ اللہ کے آخری پیغام کی بعض ممتاز نشانیاں ہیں۔ جہاں تک معجزات اور آیات کا معاملہ ہے اپنے اسلوب، شکل اور متن کے لحاظ سے اس آخری کتاب الٰہی اور اس سے قبل کی کتب الٰہی میں فرق ہے۔ محمدؐ، خاتم النبین کو قرآن بطور نشانی عطا ہوا۔ یہ نشانی عطا کرنے میں اللہ کا یہ مقصد ہے کہ لوگ ہر دور میں کائنات کے حقائق کو منکشف کرنا، ان کی تحقیق کرنا اور ان پر غور وفکر کرنا اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ البتہ رسول اکرمؐ کو عطا اس نشانی اور آپؐ سے قبل کے انبیا مثلاً موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر رسولوں کے ہاتھوں سامنے آنے والے معجزوں میں خلط ملط ہو گیا ہے۔

۱۰۔ آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا یہ امتیاز ہے کہ اللہ نے اسے محفوظ رکھا ہے۔ یہ سنت کی تصدیق کرتا اور ان کی نگرانی کرتا ہے قرآن ہی وہ معیار ہے جس کی بنیاد پر ہم کسی سنت کو قبول یا رد کرتے ہیں۔ قرآن کے پہلو بہ پہلو سنت نبوی نے اسلامی احکام کو متعین شکل دینے میں اپنا کردار ادا کیا ہے البتہ اس بارے میں سنت جو کردار ادا کرتی ہے اس کے متعین ضابطے ہیں۔

حضرت محمدؐ کی سنت آپؐ سے پہلے کے انبیا کی مثالوں اور تجربات کا خلاصہ ہے۔ آپؐ کی سنت میں ہم کو ان نکات کی جھلک ملتی ہے: نوحؑ کا صبر وحلم، ابراہیمؑ کی تلاش حق، تقویٰ اور اطاعت، موسیٰؑ کی جانفشانی اور اپنی امت سے فرط تعلق، عیسیٰؑ کا ضبط نفس، اور اپنی امت کو دین کے بنیادی اور گہرے حقائق کا درس دینا۔ قرآن وحی الٰہی پر مشتمل ہے جب کہ سنت نبوی آپؐ سے پہلے کے انبیا کے اپنی امتوں کے ساتھ تجربے اور ان انبیا کی پیش کی ہوئی مثالوں سے عبارت ہے۔ سنت نبوی کا قرآن سے انتہائی گہرا تعلق ہے اور ان دونوں کے درمیان کسی بھی قسم کا کوئی اختلاف یا تنازعہ نہیں بلکہ یہ دونوں ایک مسلسل اور متواتر وحدت کا نام ہیں۔

باب دوم

سنت بطور تصور اور بطور تکنیکی اصطلاح

سنت کا تصور اور اس کا تاریخی ارتقا

میری رائے میں سنت کوئی تکنیکی اصطلاح نہیں بلکہ ایک تصور ہے۔[۲] درحقیقت یہ ایک انتہائی متعین اور لطیف قانونی تصور ہے، جس نے اسلامی فکری روایت کو بہت زیادہ متأثر کیا ہے۔ لفظ سنت متعدد اور ایک دوسرے سے منسلک تصورات کا مجموعہ ہے۔ اس میں طریقے کا مفہوم بھی شامل ہے، آداب، سماجی اور طبعی قانون وغیرہ۔ سنت کو محض ایک تکنیکی اصطلاح سمجھنے کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں لہٰذا سنت کے تصور پر غور کرنا، اس کا تجزیہ کرنا اور اس کی ترتیب نو لازمی ہیں۔ میرا مقصد متعدد اصطلاحات سے سنت کے تعلق کو واضح کرنا ہے تاکہ ان سارے تصورات کو ایک لڑی میں پروتے ہوئے حقیقی، واحد شریعت کی تصویر سامنے آئے۔

مفہوم کا لفظ فہم سے ماخوذ ہے اس کے لفظی معنی کسی شے کو سمجھنا ہیں۔ منطقی حضرات کے مطابق اس سے مراد ایسا تصور یا ادراک ہے جو واقع ہوا ہے یا جس کے واقع ہونے کا امکان ہے۔ یہ ذہن کی سطح پر یا عمل یا گفتگو یا براہ راست تجربے یا کسی اور کے بیان کی شکل میں ہوسکتا ہے۔ مفہوم کی دو قسمیں ہیں: مجموعی مفہوم یعنی کسی کے بیان سے جو مطلب براہ راست لیا جائے یا اس بیان میں چھپے ہوئے مطلب کو سمجھا جائے۔ دوسری قسم مفہوم مخالف ہے یعنی وہ مطلب جو کسی تعلق کی مدد سے سمجھ میں آئے یا جس کا بیان میں کوئی ذکر ہی نہ ہو۔

عربی ماہرین لغت کی رائے میں سنت کے چار معنی ہیں: طریقہ، عادت، سیرۃ یا سلوک اور طبعیت۔ قرآن میں سنت کا لفظ س۔ن۔ن سے مشتق ہے۔ یہ مکی سورتوں میں ۹؍ مقامات پر اور

مدنی سورتوں میں ۱۰ر مقامات پر آیا ہے۔قرآن میں اس لفظ کے مشتقات سے مراد وہ مظہر ہے جو کائنات اور معاشرے میں اس تواتر کے ساتھ پیش آتا ہے کہ اس کے قوانین بالکل واضح اور متعین ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الانفال (آیت: ۳۸) میں اللہ نے مشرکوں اور راہ الٰہی سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنی گم راہی اور بغاوت کے انجام سے کبھی بچ نہیں پائیں گے۔ اللہ کا طریقہ ابدی ہے۔ احکام الٰہی کی خواہ کتنی ہی قسمیں ہوں ان سب کا یکساں، واحد مقصد ہے کہ لوگوں کے قلوب کا تزکیہ کیا جائے تاکہ وہ ثواب الٰہی کے حقدار ہوں اور اللہ کے حضور قیام کے اہل ہوں۔

خالص لغوی نقطۂ نظر سے سنت سے مراد طرز حیات ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ اسی طرح اصولیین کے مطابق سنت کا مطلب انسانی طرز حیات، عادت یا رسم ورواج ہے۔ سنت نبوی کے پس پشت بھی یہی مطلب ہے۔ یہاں سنت سے مراد وہ طرز زندگی ہے جس پر افراد اور امت دونوں عمل کریں۔ اسلامی حلقوں میں اس اصطلاح سے مراد مثالی طرز زندگی ہے، گو اس بارے میں رسول اکرمؐ کی حیات کا متعین طور پر حوالہ نہیں دیا جاتا۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں البتہ اس کے معنی محدود ہو گئے اور سنت سے اب مراد صرف رسول اکرمؐ کا طرز حیات اور عمل ہے۔

بعد کے ادوار میں سنت کی اصطلاح

پہلی صدی ہجری میں سنت کے متعدد معنی تھے۔ ۳۴ھ کی ایک گفتگو میں سنت کا لفظ جائز اور عام طور سے معروف اور مقبول عمل کے لیے استعمال ہوا تھا۔ ۳۵ھ میں خلیفہ عثمان ابن عفان نے اہل مکہ کو خطاب کرتے ہوئے رسول اکرم کے قابل ستائش طریقوں کا حوالہ دیا۔ ۳۸ھ میں سنت سے مراد لوگوں کے معروف افعال تھے۔ البتہ اس دور میں سنت کا لفظ متعدد دیگر تصورات پر بھی حاوی تھا مثلاً سنت اسلام، سنت مسلمین اور سنت اللہ کا ذکر رہتا۔ یہ رسول اکرمؐ اور پہلے دو خلفا یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کے افعال کے لیے بھی استعمال ہوا۔ رسول اکرمؐ نے لوگوں کو نیک اعمال پر آمادہ کیا۔ سنت سے مراد قرآن میں مذکور اعمال بھی ہیں۔

بعض فقہی مسالک کے اکابر کے درمیان سنت کے معنی پر انتشار ذہنی برپا رہا۔ انھوں نے

رسول اکرمؐ کے ایسے اقوال کا حوالہ دیا ہے جن میں سنت کا لفظ آیا ہے اسی طرح صحابہ اور تابعین کے ہاں بھی اس لفظ کا استعمال ملتا ہے۔ ان مقامات پر سنت سے مراد ایسے مثالی اعمال ہیں جو کہ پسندیدہ ہیں اور جن کی ہمت افزائی کرنا چاہیے۔ البتہ بطور تکنیکی اصطلاح سنت کا استعمال دوسری صدی ہجری میں بطور ایک متعین اصطلاح شروع ہوا۔ بالفاظ دیگر، اب سنت سے مراد صرف رسول اکرمؐ کا اسوہ تھا نہ کہ اس لفظ کا وسیع تر معنی۔ صرف سنت رسول اللہؐ ہی قابل تقلید نمونہ قرار پایا۔

بطور اصطلاح سنت کے ایک متعین، طے شدہ معنی ہیں لیکن اس کو بطور ایک لچک دار، مجموعی تصور کے طور پر برتنا چاہیے اور اس میں اس کے تمام معنی شامل ہوں جو کہ لغت، قرآنی استعمال اور رسول اکرمؐ کے اس لفظ کے استعمال کو محیط ہوں۔ ایک اصطلاح کی پیچیدگی میں کھونے کے بجائے ہم کو سنت کا ایک قابل قبول نظریاتی سانچہ بنانا چاہیے جو کہ لچک دار ہوتا کہ ہر معنی کی رعایت ہو اور ماضی میں اس کے انسلاکات کو پیش نظر رکھا جائے اور مستقبل میں اس کے کیا معنی بر آمد ہوں گے ان کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

تصور سنت کا معنیاتی ارتقا

فقہ آج کے دور میں قانون کے مترادف ہے ہر چند کہ اس کے معنی فہم یا احساس ہیں۔ فقہ سے مراد مشاہدے اور بصیرت سے حاصل علم ہے کہ حصول علم کے یہی سب سے زیادہ موثر ذرائع ہیں۔ فقہ کے مشتقات قرآن میں بیس مقامات پر آئے ہیں اور زیادہ تر مقامات پر اس کے معنی فہم ہیں۔ فہم کی متعین ترین شکل قلب کے ذریعے ممکن ہے کہ قلب کی مدد سے انسان اشیا کو جانچتا اور پرکھتا ہے۔ قرآن نے فقہ کا لفظ اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

البتہ فہم کا مرحلہ بتدریج ہوتا ہے اس میں مطالعہ، علم اور سمجھ سب ہی شامل ہیں انسان کا علم اس کی فہم کے مطابق ہوسکتا ہے یا وہ اپنی فہم پر عمل کرسکتا ہے۔ فقہ کی ابتدا بھی اسی طور پر ہوئی۔ قرآن کے حوالے سے جب لفظ علم کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد حدیث اور سنت ہوتے ہیں جب کہ فقہ یا فہم علم کے پہلو بہ پہلو ہوتی ہے۔ لغوی اعتبار سے اس ارتقا کی صورت یہ ہے: ۱) تحریری متن کا مطالعہ جو قارئین کرتے ہیں۔ ۲) سنت یا دینی فرض کے طور پر علم کی ترسیل۔ ۳) تدبر اور تفکر کے

ساتھ فہم جس میں بصیرت ہو۔ یہ نکتہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ دوسری صدی ہجری تک فقہ کا لفظ اس معنی میں ہی سمجھا جاتا تھا جو آج اس کے معنی ہیں۔ امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ/۷۹۵ء) کے دور میں فقہ کا لفظ وسیع تر معنی میں استعمال ہوتا تھا اور یہ دور جدید کی تعریف سے مختلف تھا۔ آج فقہ سے مراد صرف لوگوں کا رویہ اور ان کے سماجی تعلقات ہیں۔ اگلے مرحلے میں فقہ کا تعلق صرف اعمال اور افعال تک محدود ہو گیا۔

ارتقا کا اگلا مرحلہ فضلا کے درمیان پیش آیا جن کی دل چسپی اصطلاحات، تعریف اور وضاحت، علوم کی درجہ بندی اور ایسی سرگرمیوں میں تھی جن کا حجاز میں رواج نہیں تھا۔ اور یہ سرگرمی وہاں زیادہ اثر انداز نہ ہوتی۔ صحابہ کے دور میں بھی فقہ کا لفظ بطور اصطلاح رائج نہیں تھا۔ اس کے معنی رفتہ رفتہ تبدیل ہو کر موجودہ شکل اختیار کر گئے۔

رائے کے تصور کا ارتقا

رائے کا تصور لفظ رائے پر مبنی ہے جس کے بنیادی معنی مادی طور پر دیکھنا ہے۔ چوں کہ ذہن کی مدد سے کسی شے کا ادراک دیکھنے کے مرادف ہے اسی لیے رائے سے مراد جانچنا، پرکھنا، غور کرنا، کوئی نقطۂ نظر اختیار کرنا ہے یعنی ذہن کی آنکھ سے اشیا کو دیکھنا۔ فضلا اپنی تہذیب اور تعلیم کی سطح کے لحاظ سے اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ غرضیکہ رائے کے معنی کا ارتقا فضلا کی ذہنی ترقی کے متوازی رہا۔

مدینہ ایسے صحابہ کا مرکز تھا جنھوں نے براہ راست رسول اکرمؐ سے علم حاصل کیا تھا ان کی قوت مشاہدہ ان کے فیصلوں کے پس پشت ہوتی۔ امام مالک نے کسی رائے کے بارے میں یہ اظہار خیال کیا کہ وہ قابل غور نہیں ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو رائے دینے کا اہل سمجھتے تھے۔ ابن قتیبہ بھی امام مالک کو رائے دینے کا اہل سمجھتے تھے۔ ابن رشد نے ان کو امیر المومنین کا لقب دیا کہ وہ رائے دینے اور قیاس کے اصول کا اطلاق کرنے کے اہل تھے۔ دیگر مقامات کی بہ نسبت مدینہ میں رائے کا استعمال زیادہ رہا۔ رائے یہاں عام معنی میں مستعمل تھا اور اس میں فقہا یا مجتہد یا شرح نگار کے درمیان کوئی امتیاز نہیں تھا۔ ہر شخص کے ذہنی سانچے، ماحول اور

تمدن کے لحاظ سے اس کی رائے ہوتی جو اس کی فہم اور طرز فکر کے مطابق ہوتی۔

نص کے تصور کا ارتقا

اصطلاح نص لفظ نصّ سے ماخوذ ہے اس کے متعدد معنی ہیں مثلاً مادی یا غیر مادی طور پر کسی شے کو اٹھانا یا بلند کرنا، کسی شے کا مقصد، تفتیش، تخصیص، تقرر، مطلع کرنا یا کسی شے کو ظاہر کرنا وغیرہ۔ اس اصطلاح کے پس پشت ایک عام، آفاقی اصول ہے جس کے معنی سیاق وسباق، تفصیلات اور سنت کے مطابق اطلاق ہے۔ امام شافعی نے سنت کو قرآن کے متوازی مقام دیا البتہ وہ اسلامی تعلیمات اور اعمال کے لیے اساسی متن صرف قرآن ہی کو تسلیم کرتے تھے انھوں نے دوٹوک الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ کوئی حدیث اسی صورت میں معتبر اور مستند تسلیم کی جائے گی جب کہ وہ واضح طور پر قرآن سے ثابت ہو۔

فضلا نص کا لفظ ہر قابل فہم شے کے لیے مطلق صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ ہر مکتب فکر کے ہاں اس کا مخصوص استعمال بھی ملتا ہے۔ البتہ لغت کے نقطۂ نظر سے اور شافعی کے مطابق نص کا اطلاق صرف قرآن پر ہوتا ہے کہ بطور ماخذ یہ سب سے برتر ہے اور یہی واحد مقصود ہے۔ البتہ علما نے اس کے دوسرے معنی بھی مراد لیے ہیں جس کے باعث اس اصطلاح کا قرآن اور سنت سے تعلق محو ہو گیا ہے۔ محدثین کے ہاں نص سے مراد کوئی بھی متن ہوتا ہے اسی باعث غلط فہمی پیدا ہوئی۔

باب سوم
قرآن بطور تخلیقی ماخذ اور سنت بطور عملی وضاحت

وحی کا تصور

کتاب اللہ میں جو کچھ بھی مذکور ہے، سنت رسول اللہؐ اس کی وضاحت اور عملی شکل ہے۔ وحی سے مراد کلام اللہ ہے جو عالم بالا سے رسول اللہؐ کے قلب پر نازل ہوا۔ وحی کی اس تعریف میں الفاظ کے علاوہ علامتیں، اشارے، غیر لفظی آوازیں، جسمانی حرکات وسکنات اور تحریر بھی شامل ہیں۔ وحی کا مطلب بہرکیف وہ پیغام الٰہی ہے جو اللہ اپنے رسولوں کو مختلف ذرائع سے بھیجتا ہے، وحی اور قرآن کی روشنی میں سنت میں توحید الٰہی کا اثبات ملتا ہے بلکہ پورا علم التوحید مرتب ہوا ہے۔ اس سے ہم سنت کے مقام کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور دیگر تصورات بھی واضح کر سکتے ہیں۔

رسول اللہؐ کا فرض منصبی پیغام الٰہی کی لوگوں تک ترسیل تھا آپؐ کو از خود کسی شے کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار نہیں تھا آپؐ نے یہ احکام ہمیشہ حکم الٰہی کی روشنی میں دیے۔ قرآن میں اللہ کے وہ تمام احکام شامل ہیں جن کو وہ اس میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ قرآن میں دورِ وحی کی تفصیلات، صورت حال اور واقعات ملتے ہیں قرآن سے ہمیں ان واقعات کے زمانے کا علم ہوتا ہے۔ قرآن ہی کے ذریعے دین اسلام مکمل ہوا۔ اس لحاظ سے قرآن دیگر تاریخی ماخذ سے بالکل مختلف ہے۔ دیگر ماخذ میں کسی نہ کسی قسم کی تحریف ہوئی ہے کیوں کہ ان کی حفاظت کا کوئی وعدۂ الٰہی نہیں ہے۔ بعض مقامات پر قرآن نے رسول اللہؐ کے بعض افعال کی اصلاح کی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے سورۃ الاحزاب: ۳۷۔

عربوں نے اس سے قبل اس طرح کی وحی وصول نہیں کی تھی۔ رسول اللہؐ کی حیات میں اور آپ کی نگرانی میں قرآن جمع ہوا۔ حکم الٰہی کے مطابق قرآن کا متن ہمیشہ محفوظ رہا ہے۔ سورۃ النحل

(آیت:۱۱۶) میں اللہ نے مسلمانوں اور بنی آدم کو خبر دار کیا ہے کہ وہ قرآن کے سوا کسی اور متن کو بہ طور قانونی ماخذ نہ اختیار کریں۔قرآنی احکام دوران وحی نازل اور جمع اس شخصیت کی نگرانی میں ہوئے جس پر وحی نازل ہوئی تھی۔

سنت اور نظریۂ بیان

قرآن اور سنت کے درمیان تعلق کو ہم نے نظریۂ بیان کی مدد سے واضح کیا ہے۔ یہاں بیان سے مراد اس کے قرآنی معنی کی وضاحت ہیں۔سنت قرآن کا عملی، وضاحتی بیان ہے۔سنت قرآن کے دائرے میں محدود ہے اور اس کے تابع ہے۔سنت کبھی بھی قرآن سے آزاد یا خود مختار نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو قرآن سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اجتہاد، قیاس اور ان کی ضمنی شکلوں کے برخلاف سنت وضاحتی ہے اور اس کے احکام قابل اتباع ہیں۔امام شافعی کی رائے میں متعین حالات میں سنت قرآن کی تطبیق اور وضاحت کرتی ہے۔ان کے بقول ایک حد تک قرآن اپنی وضاحت خود کرتا ہے، بعض عمومی قرآنی اقتباسات ایسے ہیں جن کے خصوصی معنی رسول اللہؐ نے متعین کیے۔رسول اللہؐ کے افعال سے بھی قرآن کی وضاحت ہوئی ہے،سنت سے یہی سب کچھ مراد ہے۔قرآن کا اپنا خود وضاحتی تذکرہ بیان کی اعلی ترین قسم ہے۔آخری کتاب اللہ ہونے کے لحاظ سے قرآن ماقبل کے انبیا کے ورثے سے برتر ہے اور یہ رسول اللہؐ کے اقوال اور افعال سے بھی اعلی ہے۔قرآن کی وضاحت کے طور پر رسول اللہؐ کے اقوال اور افعال کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہے۔

قرآن کی روشنی میں سنت کا مطالعہ

بعض فضلا نے احادیث کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:۱) وہ احادیث جو قرآن پر اضافہ ہیں اور وہ احادیث جو قرآن سے مکمل مطابقت رکھتی ہیں مسلمانوں پر ان پر عمل کرنا لازم ہے۔ایسی احادیث جو قرآن کے مخالف ہیں ان کو مسترد کر دینا چاہیے۔البتہ اصولیین نے رسول اللہؐ کے ان اقوال اور افعال میں جو حکم کا درجہ رکھتے ہیں اور جو بہ طور حکم نہیں ہیں ان میں کوئی امتیاز نہیں کیا سنت کے ایسے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے جن کے بارے میں ان کے امام نے اظہار خیال کیا ہے وہ محدثین کی آرا کو اپنے امام کے موقف سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں البتہ وہ محدثین کی ان

اصطلاحات کو قبول کرتے ہیں۔ صحیح، مشہور، معلل، مدلّس اور معنعن۔ اصولیین نے بغیر کسی تفریق کے تمام سنتوں کو بطور حکم تسلیم کرلیا اور قرآن کے پہلو بہ پہلو سنت کو بھی ایک خودمختار، آزاد ماخذ قانون قرار دیا اس کے باعث غیر ضروری یا سطحی فتوے جاری ہوئے۔ مثال کے طور پر اگر رسول اکرمؐ نے کسی عمل پر نکیر نہیں کی تو اسے مباح قرار دیا گیا اس سے مزید انتشار ذہنی پیدا ہوا۔

مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو نظر انداز کرتے گئے کہ قرآن اور سنت دونوں کا مقصد انسانی سماج کی تشکیل ہے جس سے ایک خوش حال تمدن وجود میں آئے۔ قرآن کی بہ نسبت سنت تک رسائی زیادہ آسان تھی کیوں کہ ان کا براہ راست تعلق واقعات، افراد اور صورت حال سے ہے البتہ قرآن اور سنت کا جامع، بھرپور مطالعہ درحقیقت وحی کے متن کی تحقیق ہے تاکہ اس کائنات میں انسان کے وجود کا مقصد واضح ہو۔ اس میں جامع، غیر مبدل اقدار شامل ہیں مثلاً توحید، تزکیہ اور عمرانیاتی بہبود۔ اس کے علاوہ انصاف، آزادی، انسانی ضرورتوں بالخصوص بنیادی مادی ضرورتوں کی تکمیل اور مجرد، روحانی اور جمالیاتی مطالبات بھی شامل ہیں۔

بعض حضرات کے خیال میں اسناد کی بنیاد پر حدیث کا منہج حدیث کے مستند اور معتبر ہونے کا حتمی ثبوت ہے۔ اس کے پس پشت یہ خیال ہے کہ حدیث کے متن میں ایسا کچھ ہو ہی نہیں سکتا جو اسے غیر مستند قرار دے۔ اگر یہ مفروضہ صحیح ہے اور اسناد کھری ہیں تو پھر اس حدیث میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جب حدیث کے متن کو خود محدثین کے مرتبہ معیار پر پرکھا جائے اسے اسناد کی بنیاد پر تنقید کا جزو بنایا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں فضلا کا فرض ہے کہ وہ سلسلۂ اسناد کو جانچیں اور پرکھیں کہ وہ کتنا معتبر ہے۔ پھر وہ متن بہ غور مطالعہ کریں اور اسلام کے معیار کے مطابق اس کو جانچیں۔ اس صورت میں سنت متفرق متن نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات اور اقدار کا وسیلہ ثابت ہوں گے۔ حدیث تنقید کے ان طریقوں کو نظر انداز کرنے کے باعث ہمارے دور میں اتنے اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔ موجود مسئلہ حل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسناد اور متن دونوں کی تنقید اور تجزیہ کیا جائے۔ جن ادوار میں یہ منہج سامنے آئے اس دور کے سرمایۂ علم کی روشنی میں یہ مطالعہ کیا جائے۔

باب چہارم

بیانیہ کا بڑھا ہوا کردار

ایک تاریخی سرسری جائزہ

وہ نسل جس نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا

جس پہلی نسل کا یہاں تذکرہ پیش ہے اس نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا تھا۔اس کے بعد کی نسلوں میں راوی حضرات، فقہا کی نسل اور مقلدین کی نسلیں شامل ہیں۔قرآن اور سنت رسول اللہؐ میں اس کی وضاحت کے بارے میں ایک دوٹوک تاریخی تناظر ذیل میں پیش ہے۔اگر رسول اکرمؐ کے انتقال کے بعد رسول اللہؐ کی ہدایت پر اسی طرح عمل کیا جاتا جس طرح آپؐ کی زندگی میں کیا گیا تھا تو قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کے بارے میں کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔

وہ نسل جس نے نزول قرآن کا مشاہدکیا وہ ان امور کی عادی تھی رسول اللہؐ کی تلاوت وحی، ان کی تعلیمات ان کے فہم قرآن اور قرآن میں موجود حکمت کے اس طرح اطلاق کہ وہ ان کے تمام سوالوں کا جواب دے۔رسول اللہؐ نے ان کو حرام اور حلال کا درس دیا، صحیح اور غلط اور اچھے اور برے کے درمیان فرق کو سمجھایا۔بعض صورتوں میں رسول اللہؐ ان معاملات میں بھی حکم دیتے جس کے بارے میں ان سے کوئی سوال بھی نہیں پوچھا گیا تھا مثال کے لیے دیکھیے سورۃ الانعام:۱۵۱-۱۵۴۔ رسول اللہؐ وحی پر عمل کرتے اس کو لوگوں تک پہنچاتے۔اس کی وضاحت کرتے اور یہ بتاتے کہ اس پر عمل کیسے کیا جائے۔رسول اللہؐ کی اس فہم کو سب تسلیم کرتے تھے کیوں کہ تمام صحابہ پر یہ نکتہ روشن تھا کہ سنت قرآن کے بیانات کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں۔

حدیث کے متن پر تنقید کی ایک مثال کا حوالہ بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے دیا ہے اس حدیث کا تعلق فاطمہ بنت قیس سے ہے جس کے شوہر نے اس کو حتمی طلاق دے دی تھی اور مبینہ

طور پر رسول اللہؐ نے اس مطلقہ عورت کے لیے سکونت یا نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ اس معاملے میں حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے یہ تبصرہ کیا:

> ہم کسی عورت کے قول کے باعث کتاب اللہ اور اپنے رسولؐ کی سنت کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ ہم سب کو یہ علم ہے کہ اس عورت نے جو کچھ اس سے قبل سنا ہو وہ بھول گئی ہو اس کو سکونت بھی چاہیے اور مادی مدد بھی۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:
> ''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کے گھر سے باہر مت نکالو۔ وہ صرف کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہونے کی صورت میں گھر سے نکالی جائیں''۔
> (الطلاق:۱)

ایک اور مثال یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ نے یہ سنا کہ لوگ احادیث کا موازنہ قرآن سے کر رہے ہیں اور اس بنیاد پر ان کی اصلاح کر رہے ہیں تو عائشہؓ کو اعتراض ہوا۔ یہاں زیرِ گفتگو یہ حدیث تھی جس کے مطابق سورۃ الانعام (آیت:۱۶۴) کے حوالے سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر اہلِ خاندان انتقال پر گریہ زاری کرتے ہیں تو اس سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

اس نسل کے لیے رسول اللہؐ کے افعال دو قسموں کے تھے: وہ جو کہ قرآن کے واضح احکام پر عمل کے لیے لازم تھے مثلاً نماز کی پابندی اور صدقہ خیرات کرنا۔ (البقرہ:۴۳)۔ یہ وہ افعال ہیں جو آپؐ نے وحی الٰہی کو پہنچانے کے مقصد سے کیے۔ آپؐ کے افعال کی دوسری قسم وہ ہے جس میں کسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے آپؐ نے خود کوئی قدم اٹھایا۔ صورت حال کے تجزیے کے بارے میں یہ آپؐ کی تشریح پر مبنی ہیں۔ بعض افعال آپؐ نے اپنی عادت یا طبعی مزاج کے مطابق کیے۔

راویوں کی نسل کا ظہور

رسول اللہؐ کے انتقال اور فتوحات کے بعد جزیرہ نما عرب کے باہر کے لوگ بھی حلقۂ اسلام میں شامل ہوئے۔ ان نئی تہذیبوں کے اثرات ظاہر ہوئے یہ اثرات مثبت بھی تھے اور منفی بھی بہرحال یہ صحابہ کرام کی اولین نسل کے لیے نئے تھے۔ جیسے جیسے صحابہ کا انتقال ہوتا گیا لوگوں کو قرآن کے علاوہ بھی ہدایت کے کسی ماخذ کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ وہ نئے مسائل کا مقابلہ

کریں۔ اسی باعث اس نسل نے روایتوں کو جمع کرنا شروع کیا تاکہ رسول اللہؐ کی حیات کے بارے میں سارا متعلقہ مواد جمع ہو جائے۔

تحریری شکل میں حدیث مرتب کرنے کا پہلا باضابطہ قدم خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ/۷۴۰ء) اور ان کے والد عبدالعزیز بن المروان (متوفی ۸۶ھ/۷۰۵ء) نے اٹھایا۔ اس میں اس دور کے فقہا بھی شامل رہے۔ انھوں نے مختلف فقہی مکاتب فکر کے بجائے سنت کو متبادل کے طور پر اپنانے کی کوشش کی کیوں کہ باہمی اختلافات بڑھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ رسول اللہؐ کے اقوال اور افعال سے متعلق تمام روایات جمع کر لیں تو وہ قرآن کے معنی بہتر طور پر واضح کر سکیں گے اور ان کا اطلاق بھی کریں گے تاکہ مسلمان فرقوں، مکاتب فکر اور گروہوں میں تقسیم نہ ہوں۔ اس کے نتیجے میں راویوں کی نسل ظہور میں آئی منفی اثرات سے بچنے کے لیے خلیفۂ اول ابوبکرؓ کو احادیث جمع کرنے میں ہچکچاہٹ تھی اور عمرؓ ابن الخطاب نے مختلف احادیث کو مٹا دیا تھا۔

فقہ اور فقہا کی نسل

۴۰ھ/۶۶۰ء میں فقہ کا تصور رائج ہوا اس کا باعث رسول اللہؐ کے اقوال اور افعال سے متعلق روایتیں تھیں۔ علمائے دین اور فقہا کے درمیان اختلاف دور کرنے کے بجائے یہ احادیث مختلف مکاتب فکر کے علم برداروں کے درمیان ایک آلہ بن گئیں اور ہر گروہ نے ان کی مدد سے اپنا دفاع کرنا شروع کر دیا اور ایسی احادیث کو منتخب کیا جو ان کے مقصد کے لیے کارگر تھیں۔ احادیث کے جمع ہوتے ہی لوگوں نے حدیث کا استعمال اس طور پر نہیں کیا کہ اس کی روشنی میں یہ غور کریں کہ رسول اللہؐ نے قرآن کو کیسے سمجھا اور کیسے اس پر عمل کیا تھا بلکہ انھوں نے فقہ کو قرآن کے متوازی اسلامی قانون سازی کا ماخذ بنا لیا۔

پھر یہ غلط خیال عام ہو گیا کہ محتاط اندازے کے مطابق قرآن میں صرف ۵۰۰/ایسی آیات ہیں جو احکام پر مشتمل ہیں اور پھر ان ہی آیات پر علما کی توجہ مرکوز ہو گئی۔ ان آیات میں بھی علما نے امر و نہی کی آیات پر اصرار کیا جن کا تعلق عبادت، خاندان، روزمرہ کے معاملات، قانونی

جرمانوں، عدلیہ، قانونی گواہی وغیرہ سے ہے۔ بعض علما نے احادیث کی درجہ بندی اس طور پر کی کہ وہ احکام کا ماخذ کیسے ہیں اور ان میں ایسی احادیث کو بھی شامل کرلیا جس میں واضح طور پر کوئی حکم بھی موجود نہیں ہے۔

لوگوں کی دل چسپی رسول اللہؐ کے اقوال اور افعال سے متعلق احادیث تک محدود ہوگئی اور قرآن کو علمائے دین، اصولیین، فقہا اور دیگر حضرات صرف ثبوت کے متن کے طور پر پیش کرتے رہے۔ اس دور کے علما کی اکثریت کی رائے میں صرف خبر احاد کی شکل میں کوئی حدیث قرآن کو منسوخ کرسکتی تھی۔ انھوں نے اپنی اس رائے کا جواز پیش کیا اور اس حقیقت کو نظر انداز کردیا کہ قرآن وہ کتاب ہے جو ہر باطل سے محفوظ ہے (فصلت: ۴۲)۔ بعض نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآنی آیات محدود ہیں جب کہ قرآن کی مخاطب صورت حال لامحدود ہیں۔ لہٰذا وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کی غلط رائے میں قانون سازی میں جو خلا رہ گیا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے مزید ثبوت درکار ہیں۔ اس دور کے خاتمے پر مسلمانوں کے ارد گرد روایتوں کا ایک انبار تھا۔

مقلدین کی نسل

فقہی مسالک کے اپنی متعین شکل میں وجود میں آنے کے بعد ان کے مقلدین نے غلامانہ انداز میں ان کا اتباع شروع کردیا اپنے آئمہ کا مقام بلند کیا اور نئے افراد کو ان مسالک میں شامل کیا۔ ایسے بعض افراد کا رویہ یہاں تک تھا کہ وہ اپنے امام کی آرا کو مقدس سمجھتے اور ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے اور دیگر آرا کو منسوخ سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض افراد کو قرآن سے زیادہ سنت سے شغف تھا۔ کیوں کہ ان کے خیال میں سنت قرآن کو محیط اور اس سے متعلق ہے۔ پھر انھوں نے حدیث کو اپنے امام کی آرا کی حمایت میں ثبوت کے طور پر پیش کیا اور اس طرح سنت کے بجائے امام کی آرا پر زیادہ توجہ ہونے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امام کی آرا کا فروغ اتنے بڑے پیمانے پر ہوا کہ یہ گمان ہوتا تھا کہ اسلامی قانون محض ان ہی کی تعلیمات کا نام ہے۔

سیاسی جدوجہد اور جواز کی تلاش میں بلاشبہ بعض احادیث وضع کی گئیں مثلاً عرب اور غیرعرب کی حیثیت اور دائرہ اثر وغیرہ سے متعلق۔ ہر گروہ نے روایتوں کا سہارا لیا۔ اپنے اپنے

شہروں، قبیلوں، افراد، امام یا علما کی تعریف کے بارے میں روایات وضع کی گئیں اور بڑے پیمانے پر ان روایات کو پھیلایا گیا۔ اپنی روایات کے بلند مقام کو ثابت کرنے کے لیے بعض محدثین نے یہاں تک دعویٰ کیا کہ قرآن بھی روایات پر مشتمل ہے۔ قرأت اور علم قرأت کا فروغ ہوا اور روایات کا انحصار قرأت پر ہوا۔ عثمانؓ ابن عفان نے قرآن کا وہ مصحف تیار کیا جو مصحف امام کے نام سے مشہور ہوا اور اسے مسلمانوں کی متفقہ طور پر حمایت حاصل ہوئی۔ عثمانؓ یا ان کے رفقا نے کہیں بھی مختلف قرأتوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کتاب اللہ کا کوئی ہم سر نہیں ہے اور اس کے متوازی یا مقابل کوئی ماخذ ناقابل تصور ہے اس کا کسی سے موازنہ ممکن نہیں کیوں کہ قرآن میں حق کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ ہر شک وشبہ سے بلند ہے اور غیر مبدل حقیقت ہے۔

باب پنجم

سنت کی تاریخ اور اس کا تاریخی پس منظر

سنت کی تاریخ اور یہودی اور یونانی تہذیب کا اثر

نبی اکرم محمدؐ ابن عبداللہ کی بعثت سے قبل جزیرہ نما عرب کے عربوں کو کبھی کسی رسول کے ظہور کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ آپؐ کے انتقال کے صدمے کے زیر اثر تین گروہ وجود میں آئے۔ پہلا گروہ سیاسی شخصیات کا تھا جنھوں نے آپؐ کے مقصد کے نمونے پر خلافت قائم کی۔ دوسرا گروہ مسلم صوفیا کا تھا جن کا خیال تھا کہ درویشی کے ذریعے آپؐ کا پیغام جاری رکھا جا سکتا ہے۔ تیسرا گروہ بعد میں علما کے نام سے مشہور ہوا ان میں علم الکلام کے ماہرین، علمائے دین، فقہا اور محدثین شامل تھے۔ اس گروہ کے اراکین اور صوفیا نے سنت کی اصطلاح کے معنی تبدیل کر دیے اب اس سے مراد صرف لوگوں کی روزمرہ زندگی میں قرآن کا اتباع اور اطلاق نہیں رہا بلکہ اس کا دائرہ اب رسول اللہؐ کے تمام اقوال اور افعال تک وسیع ہو گیا۔ صحابہ اور محدثین نے دوسرے شہروں کا سفر کیا اور حدیث کے جمع اور تدوین کا کام شروع ہوا۔ اب سنت صرف قرآن کی وضاحت تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کا مطالعہ بہ طور ایک شعبہ علم ہونے لگا کیوں کہ اس کی نسبت رسول اللہؐ سے تھی۔ قرآن سے ماخوذ قوانین کی طرح اب سنت سے ماخوذ قوانین وجود میں آئے۔

اپنی بعثت اور وحی وصول کرنے کے بعد رسول اللہؐ نے قرآن کی ہدایت کے مطابق یہ کوشش کی کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی توجہ ان مشترک اقدار کی جانب کریں جو کہ ان میں اور اسلام میں مشترک ہیں۔ آپؐ نے یہ واضح کیا کہ آپؐ کی آمد کا مقصد آپ سے قبل کی وحی کی اصلاح اور

تصدیق ہے اور آپؐ کا پیغام ماقبل کے پیغام الٰہی کی توسیع ہے۔ اور یہ وہی پیغام ہے جو ابراہیمؑ لائے تھے جو کہ ان تمام انبیا کے جدامجد تھے۔ البتہ آپؐ کی یہ کوشش بڑی حد تک ناکام رہی۔ عربوں کے پاس اپنی کوئی مقدس کتاب نہیں تھی اور اسلام سے قبل کی تہذیب میں غیر اسلامی تصورات کی بھرمار تھی۔ ایسا ہی ایک تصور جبر (تقدیر) کا نظریہ تھا جس کے مطابق انسان کی حقیقی معنی میں کوئی آزادیٔ انتخاب نہیں ہے اور ہر شے پہلے ہی سے مقرر ہے۔ اس نظریے کی حمایت میں متعدد فلسفیانہ اور دینیاتی مباحث سامنے آئے مثلاً جبریہ، قدریہ اور حاکمیت الٰہیہ۔

آخر آٹھویں اور وسط نویں صدی عیسوی میں خلافت عباسیہ کی سرپرستی میں بڑے پیمانے پر تراجم ہوئے اور اس دور میں اسلامی علوم میں واضح امتیازات قائم ہوئے۔ لیکن اس معاملے میں مسلم فضلا ارسطا طالیسی منطق سے متاثر ہوئے اس منطق کا تعلق اشیا کے جوہر کی تعریف اور وضاحت سے ہے۔ اسی کے زیر اثر تصورات کی تعریف کی گئی لیکن اس سے فکر اسلامی میں بڑا انتشار واقع ہوا۔ تمام علوم اسلامی کے تصورات اور اصطلاحات کی تعریف میں خلط ملط ہوا اس میں علم حدیث بھی شامل تھا۔ غرضیکہ سنت سے متعلق بہت سے تصورات کی ایسی تعریف اختیار کی گئی جو کہ فہم قرآنی سے متصادم تھی۔

متن حدیث کی تحریر کے بارے میں احادیث

رسول اللہؐ کے دور کی نسل نے وحی الٰہی کو وصول کیا۔ اس کے بعد کی نسل نے روایات سے سروکار رکھا اور پھر اس کے بعد کی نسل کا تعلق فقہ سے رہا۔ اسی طرح علوم اسلامی کے بھی تین دور رہے ہیں: پہلا دور زبانی تھا پھر جمع اور تحریر کا اور اس کے بعد تنظیم اور تدوین کا۔ صحابہ کو قرآن کے پابند رہنے کا بہ خوبی علم تھا اور وہ رسول اللہؐ کی ہدایات کو قرآن کے تناظر میں دیکھتے تھے۔ وہ رسول اللہؐ سے اس امر کی وضاحت کراتے کہ آپؐ نے قرآن کا اطلاق کسی طرح کیا اور آپؐ نے قرآن کا درس کیسے دیا جس سے لوگوں کا کردار سنورتا تھا۔ صحابہ کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ لوگ کتاب اللہ سے دور ہوں۔

اللہ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا فرض کسی انسان، حتیٰ کہ رسول اللہؐ کو بھی نہیں سونپا بلکہ اللہ

نے قرآن کی حفاظت کا خود نظم کیا۔ قرآن کا اعجاز اور اس کی فصاحت اور خطابت از خود اس کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ رسول اللہؐ نے قرآن کی تحریر کو بہت اہمیت دی اور سنت کو تحریر نہ کرنے کی بھی تاکید کی۔ حدیث کی روایات اس لیے ظہور میں آئیں کہ بدلتے ہوئے حالات کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا جواب حاصل کیا جائے۔ خلافت راشدہ کے خاتمے پر مذہبی اور فکری قیادت اور سیاسی قیادت میں تفریق پیدا ہوگئی اموی دور حکومت میں کثرت سے روایت سامنے آئیں ان کی ضرورت فقہی معاملات میں پڑی اور لوگوں کی ہمت افزائی کی گئی کہ وہ حیات نبوی سے واقعات اخذ کریں اور نئے معاشرتی معاملات کے حل کے لیے ان کی مدد سے فتویٰ حاصل کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کی روایات بیش از بیش فقہی اور دینیاتی معاملات سے متعلق ہوگئیں۔

اب ہمارے سامنے یہ سوال ہیں کیا سنت اس مجموعے کا نام ہے جو کہ رسول اللہؐ سے متعلق متعدد روایات سے عبارت ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ سنت کی جمع اور تدوین کا کام ایک اجتماعی کوشش تھا۔ لیکن بہر کیف یہ ایک بشری سرگرمی تھا اس میں بشری حدود، غیر یقینی کیفیت اور ایک حد تک اندازے اور قیاس کا در آنا فطری تھا۔ اس حقیقت پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ احادیث کی تحریر کا کام سنجیدگی سے دوسری صدی ہجری کے وسط میں شروع ہوا اور یہ تیسری صدی ہجری میں مکمل ہوا۔ اس سرگرمی کے زیر اثر اسلامی قانونی آرا کی کثرت ہوئی اور یہی ورثہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا ہوا ہر مسلمان کی دینی تعلیم اور تربیت کا بڑا اہم حصہ بن گیا۔ رسول اللہؐ اور صحابہ کے دور میں سنت صرف رسول اللہؐ کے ان متعین افعال کا نام تھا جو آپ نے وحی کے اطلاق کے طور پر کیے تھے۔ اب سنت کے تصور میں ایسی وسعت ہوگئی کہ اس میں رسول اللہؐ کے تمام اقوال اور افعال اور وہ امور بھی شامل ہوگئے جن پر آپ نے نکیر نہیں کی تھی۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ کے یہ تمام افعال اور اقوال کسی مخصوص صورت حال میں تھے۔ متن قرآن آفاقی اصولوں پر مبنی ہے اور متن نبوی بدلتے ہوئے حالات کا عکاس ہے اس فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

بہت سے مقامات پر قرآن نے رسول اللہؐ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بشریت کا اعلان عام کریں درحقیقت آپ نے اس نکتے کو بار بار اجاگر بھی کیا۔ اس کی روشنی میں رسول اللہؐ کے بہت

سے اقوال اور افعال بشری ہونے کے باعث اسلامی قانون کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ آپؐ نے اس حقیقت کو کھجور کی بار آوری سے متعلق مشہور واقعے میں نمایاں کیا آپؐ نے اس معاملے میں جو مشورہ دیا تھا وہ مفید نہیں ثابت ہوا آپؐ کو یہ احساس ہوا کہ ان معاملات کا آپؐ کو علم نہیں ہے اور آپؐ نے فرمایا: ''میں محض ایک بشر ہوں''۔ اس واقعے میں ہمیں یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہ طور رسول اللہ آپؐ کی صلاحیتوں اور بطور محض ایک انسان آپؐ کی صلاحیتوں میں نمایاں فرق تھا۔ آپ کی ذاتی رائے اور دینی تعلیم، آپؐ کی تلاش حق کی بشری کوششیں اور وحی الٰہی، آپؐ کے دنیاوی اور روحانی معاملات، آپؐ کی اپنی خود کی رائے اور اللہ کے نمائندے کے طور پر آپؐ کے اقوال میں فرق ہے۔ وحی الٰہی بہ طور مذہبی فریضہ ہم پر لازم ہے البتہ دنیاوی امور ان کے ماہرین ہی بہتر جانتے ہیں۔

باب ششم

روایات سنت کی حاکمیت

کیا رسول اللہؐ کے کسی فعل یا بیان کے بارے میں کسی روایت کی وہی قانونی حیثیت ہے جو اس فعل یا بیان کی ہے؟ کیا ایسی روایت کسی فتویٰ کی بنیاد بن سکتی ہے اور اسے من جانب اللہ سمجھا جا سکتا ہے؟ رسول اللہؐ کی سنت کی حاکمیت اور مسلمانوں پر اس کو تسلیم کرنے کی ضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی روایت جو رسول اللہؐ کے قول یا فعل کے بارے میں ہو وہ بلاشک وشبہ آپؐ ہی کا قول یا فعل ہو۔ کیا آپؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ہم معنی ہے؟ آپؐ یقیناً حاکم اور سربراہ تھے لیکن حقیقی مالک اور سردار اللہ ہے۔

مسلم فضلا کا اس بارے میں اتفاق رائے ہے کہ کسی عقیدے یا فتویٰ کے بارے میں رسول اللہؐ سے منسوب کسی حدیث کا استعمال اس وقت جائز ہے جب کہ یہ بلاشک وشبہ ثابت ہو کہ وہ حدیث آپؐ کے قول یا فعل کے بارے میں ہے اور وہ روایت معتبر طریقے سے ہم تک پہنچی ہو۔ رسول اللہؐ سے منسوب روایات کے مستند ہونے کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض فضلا کی رائے میں ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے جو یہ ضمانت دے کہ آپؐ سے منسوب کوئی قول یا فعل معتبر ہے۔ غرضیکہ وہ صرف آپؐ کی حاکمیت کی بنیاد پر کسی معاملے کے ثابت ہونے سے انکار کرتے ہیں البتہ ان اختلافات کا یہ مطلب نہیں کہ خود سنت کی حاکمیت کے بارے میں کوئی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

جہاں تک صحاح ستہ کے محدثین اور ان کے مکاتب فکر کا معاملہ ہے، تو حنفی موقف یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث مشہور یا مستفید درجے کی نہیں ہے تو اس کی حیثیت صرف ظنی ہے۔ کیوں کہ یہ قرآن میں مذکور کسی عمومی بیان کو متعین نہیں کرتی اور نہ کسی مطلق قرآنی بیان کو مقید کرتی ہے۔ امام

مالک کا اس باب میں امام ابوحنیفہ سے اتفاق رائے ہے البتہ اس میں وہ حدیث شامل نہیں جس کی تائید کسی اور ذریعے سے ہوتی ہو۔ امام مالک ایسی غیر متصل احادیث کو بھی تسلیم کر لیتے تھے جن کا راوی ان کی رائے میں معتبر ہوتا ان کے ہاں راوی کے معتبر ہونے کی بہت سخت شرائط ہیں۔ اپنی کتاب الرسالہ کے ایک حصے میں امام شافعی نے بیان کی پانچ سطحوں پر گفتگو کی ہے۔ یہاں بیان سے مراد قرآن کی وضاحت ہے۔ کسی خبر احاد کی قبولیت کے لیے امام شافعی نے بڑی سخت شرطیں عائد کی ہیں۔ امام شافعی کے دور میں اہل رائے اور اہل حدیث کے درمیان سنت کے تصور اور اس کے اطلاق پر گرما گرم مباحثے رہے اس کے نتیجے میں سنت کے اصل تصور کے معنی فراموش ہو گئے۔ امام احمد ابن حنبل کی رائے میں قرآن کے بعد سنت اسلامی تعلیمات کا دوسرا ماخذ ہے اپنی مسند میں امام احمد نے ایسے افراد کی روایات شامل کی ہیں جن کو وہ متقی، معتبر، صادق اور صحیح سمجھتے تھے۔

زیدی مکتب فکر امام زید ابن علی سے منسوب ہے، اس مکتب فکر کی رائے میں خبر احاد صرف ظنی حقیقت کا علم دیتی ہیں عملی فتویٰ میں ان پر انحصار کیا جا سکتا ہے البتہ عقیدے کے بارے میں وہ سند نہیں ہیں۔ بالعموم اثنا عشری شیعہ اصول فقہ کے باب میں شافعی مکتب سے متفق ہیں۔ البتہ خبر احاد کے بارے میں اثنا عشری شیعہ کے دو گروہ ہیں۔ دور اول کے اثنا عشری شیعہ علما ایسی روایات کو یکسر مسترد کر دیتے تھے جو کسی شک و شبہ کے ساتھ رسول اللہؐ یا کسی معصوم امام سے منسوب ہوں۔ البتہ اثنا عشری شیعہ کی اکثریت خبر احاد کو اس شرط کے ساتھ تسلیم کرتی ہے کہ خبر دو یا اس سے زیادہ راویوں سے مرسل ہو۔ ان کے ہاں قبولیت کی یہ شرط بھی ہے کہ راوی خود اثنا عشری شیعہ ہو اور اس کی سند بھی کسی اثنا عشری شیعہ سے ہو۔

سنت کی روایات کی حاکمیت صحابہ اور بعد کے دور میں

علم حدیث کی دو شاخیں ہیں۔ علم روایت اور علم درایت۔ پہلی شاخ کا تعلق روایت سے اور دوسری کا فہم سے ہے۔ تصور علم کی بنیاد ان چار اصولوں پر ہے: ۱) منہج کی سخت پابندی ۲) معروضیت یا علمی ذہانت داری ۳) اس علم کے اصولوں اور مفروضات میں نئے اضافوں کی گنجائش

ہو۴) اس میں خود اپنی تجدید کی صلاحیت ہو۔ فلسفیوں کی رائے میں علم سے مراد کسی شے کی ذہنی تصویر ہے یعنی ادراک کی سطح پر۔ اس کی دوسری سطحیں یہ ہیں: ظن، شک، اور وہم۔ علم کی ضد جہالت ہے۔

دور اول کے محدثین کے طریقۂ کار اور اصطلاحات اور بعد کے محدثین میں واضح فرق ہے۔ دور اول کے محدثین سے مراد وہ حضرات ہیں جو خطیب بغدادی سے قبل یا ان کے معاصر تھے اور بعد کے دور میں وہ محدثین ہیں جو خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ /۱۰۷۱ء) اور حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۶ھ /۱۴۴۹ء) کے درمیان منظر عام پر آئے۔ ہر گروہ نے اپنے منہج، تصورات اور علمی ضوابط کے مطابق علوم حدیث کی خدمت کی۔ پہلے گروہ کا رجحان عملی تھا اور ان میں علم حدیث کے نمایاں نقاد شامل تھے۔ ان فضلا نے احادیث کی زبانی ترسیل کی۔ دوسرے گروہ نے نظری رویہ اختیار کیا۔ انھوں نے روایات کے تحریری سرمایے پر انحصار کرتے ہوئے حدیث کی ترسیل کی اور براہ راست انفرادی روایات تک محدود نہیں رہے۔ بعد کے دور میں یونانی اصولوں سے مستعار منطقی اصول وضع ہوئے۔

علوم حدیث میں ان تبدیلیوں کے باعث فضلا کے طریقوں میں انتشار پیدا ہوا۔ اس کا اثر بعد کے دور کے فضلا اور علم حدیث کے اصولوں اور بنیادوں پر اور زیادہ گہرا پڑا۔ قوانین، معیار، اصطلاحات اور تعریف کی معروضیت اور اعتبار کے بارے میں سوال اٹھے۔ ان اصولوں کے واضعین نے تشریح پیش کی تاکہ روایات کے بارے میں قدما کے بیانات بامعنی نظر آئیں۔ ان بیانات کی تشکیل کے پس پشت مخصوص حالات سے وہ واقف نہیں تھے لہٰذا ان کی تشریح اور اصولوں اور قوانین کے اخذ کرنے کے بارے میں اختلافات پیدا ہوئے۔

بعد کے محدثین پر اصولی طریقۂ کار کا اثر

اپنی کتاب **الرسالہ** میں امام شافعی وہ پہلے مصنف ہیں جنھوں نے اسلامی فقہ کی بنیادوں کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ یہ کتاب سنت اور متعلقہ موضوعات پر ان کے عبور کی آئینہ دار ہے۔ حالاں کہ امام شافعی علم الکلام اور علمائے دین کے سخت ناقد تھے۔ ان کے شاگردوں نے فقہ کی

بنیادوں پر اپنی تصانیف میں علم الکلام ہی کا سہارا لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور کی فقہ اور اصول فقہ اور تمام اسلامی علوم ارسطا طالیسی منطق اور فلسفے سے متاثر تھے۔ علم حدیث پر بھی یہ اثر نظر آتا ہے۔ سیاق وسباق کی شہادت کی بنیاد پر کسی کم زور حدیث کو قبول یا رد کرنا اسی اثر کا نتیجہ تھا۔ اس کے علاوہ اصولی فضلا نے شاذ روایات کو بھی قبول کیا کیوں کہ ان کے راوی معتبر قرار پائے تھے۔

البتہ ہر معتبر راوی کا اضافہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے یہ نکتہ پیش کیا کہ محدثین اور اصولیین کے حدیث کی قبولیت کے معیار مختلف ہیں ان کا مشورہ ہے کہ کم زور احادیث کے بارے میں اپنی بحث میں ابن الصلاح نے محدثین ہی کے تصورات سے کام لیا ہے اور اپنی رائے نہیں پیش کی ہے اور فقہا اور اصولیین کی آرا کو زیادہ اہمیت دی ہے۔

راوی کی جانچ پرکھ: معروضیت اور داخلیت

علم الرجال کے فن کا تعلق حدیث کے راویوں کے حالات اور کردار سے ہے اور اسی کی روشنی میں ان کی روایات کو قبول یا رد کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس معاملے کے بہت سے پہلو ہیں اس لیے اس شعبۂ علم کی متعدد شاخیں نکلیں۔ علم الرجال میں یہ امور شامل ہیں: تاریخ پیدائش اور وفات کا حال، نام، القاب اور خطابات، شجرۂ نسب، ممالک، سفرنامے، شیوخ اور ان کے شاگرد، راوی کا تجزیہ، ہم نام راویوں کے درمیان فرق، وہ نام جن میں اعراب نہ ہوں اور جن کی قرأت میں غلط فہمی کا امکان ہو، کم زور اور معتبر راوی کی شناخت وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام تفصیلات کا مقصود یہ طے کرنا ہے کہ کسی روایت کو قبول کیا جائے یا رد کیا جائے۔

علم الرجال کا تعلق مرد اور خاتون راویوں کے مندرجہ ذیل حالات سے ہے: ان کا کردار، دور، اسفار اور عرصۂ حیات۔ ابتدا میں صحابہ کی ان تفصیلات کا جائزہ نہیں لیا جاتا تھا۔ محدثین کے مطابق صحابی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہؐ سے ملاقات کی آپؐ پر ایمان لایا اور اسلام کی حالت میں وفات پائی۔ البتہ اصولی علما کے ہاں صحابی کی تعریف قدرے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر ان میں سے بعض علما کی رائے میں صحابی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہؐ کو دیکھا، قطع نظر اس سے کہ

وہ آپؐ کے ساتھ کتنے عرصے رہا یا اس نے آپؐ سے کوئی روایت بیان کی یا نہیں۔ صحابی کی تعریف میں اس اختلاف کے علاوہ اس کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تمام صحابہ رسول اللہؐ کے اقوال اور افعال سے مساوی طور پر آگاہ نہیں تھے۔

علم الرجال میں مستعمل اصطلاحات

راویوں کے کردار کی جانچ کا کوئی منظّم طریقہ نہیں تھا۔ کسی راوی کے محاکمے کے بارے میں دور اول کے محدثین کے درمیان خاصے اختلاف ملتے ہیں۔ یہ معاملہ اس صورت میں شدید ہو جاتا ہے جب کوئی محدث کسی راوی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے دیتا۔ ایک ہی راوی کے بارے میں مختلف سیاق وسباق میں الگ الگ رائے دیتا ایک ہی حدیث کے بارے میں ایک محدث کی مختلف آرا بھی ملتی ہیں۔ ایک اور نکتہ یہ ہے کہ حدیث کا راوی ہونے کے باعث اس کے کردار کو زیادہ سختی کے ساتھ جانچا اور پرکھا جاتا اور اس میں اس کے بہ حیثیت مجموعی علمی مقام اور تقویٰ کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ محدثین کے ہاں راوی کو جانچنے کے اپنے الگ الگ معیار ہیں۔ ایک مرتبہ یعقوب ابن شیبہ نے یحیٰ ابن معین سے دریافت کیا کہ کسی تابعی نے راویوں کو پرکھنے کا وہ معیار استعمال کیا ہے جو کہ ابن سیرین کے ہاں ملتا ہے۔ اپنا سر ہلاتے ہوئے اس کا جواب یحیٰ نے نفی میں دیا۔

راویوں کو پرکھنے کے طریقے میں خامیاں

راویوں کو پرکھنے کے طریقے میں بہت سی خامیاں ہیں۔ پہلی خامی کا تعلق تدلیس سے ہے۔ ''دلس'' سے مراد کسی خامی یا غلطی کو چھپاتے ہوئے دھوکہ دینا ہے۔ علم حدیث میں اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی راوی کسی روایت میں موجود کسی خامی یا غلطی کو چھپائے اور اس طرح سامعین کو دھوکہ دے۔ احادیث میں تدلیس کے بڑے پیمانے پر ہونے کے باوجود علم حدیث کی کتابوں میں ایسے راویوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ نہیں ہے، جنھوں نے حدیث میں تدلیس کی۔

دوسری خامی کذب بیانی ہے اس کی وجہ سے بھی موضوع احادیث کثرت سے وجود میں

آئیں۔ تیسری خامی راوی کا مجہول ہونا ہے۔ محدثین ایسی روایت کو کم زور سمجھتے ہیں، جس کے سلسلۂ راوی میں کوئی مجہول راوی شامل ہو۔ البتہ کسی راوی کو مجہول قرار دینے کا معیار ہر دور اور ہر مقام میں بدلتا رہا۔ چوتھی خامی تعصب یا جانب داری ہے۔ بعض راویوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھا گیا۔ پانچویں خامی کا تعلق ایسی جذباتیت سے ہے، جس کا علم سے کوئی علاقہ نہیں۔ البتہ ناقد کی جذباتیت کے باعث کسی حدیث یا راوی کے بارے میں اس کی رائے متاثر ہوتی ہے۔ چھٹی خامی نقالی ہے۔ بہت سے محدثین جو راویوں کے حالات اور کردار سے واقف نہیں تھے، انھوں نے قدما کی آرا کو صرف دہرا دیا اور راویوں کے بارے میں ان کے خیالات ہی کو نقل کر دیا ہے۔ ساتویں خامی فقہی یا کلامی مسلکیت ہے۔ اسی تعصب کی بنیاد پر راویوں کے بارے میں رائے متاثر ہوتی ہے۔ آٹھویں خامی کا تعلق ذاتی تعصب سے ہے، جو کسی راوی کی حمایت یا مخالفت میں سامنے آتا ہے۔

راویوں کی قوت حافظہ

محدثین نے قوت حافظہ کی یہ دو قسمیں بیان کی ہیں: ۱) ضبط الصدر یعنی قلب اور ذہن میں کسی شے کو یاد رکھنا ۲) ضبط الکتاب یعنی تحریری روایات کو یاد اور محفوظ رکھنا۔ زبانی روایتوں کے بارے میں محدثین کا خیال ہے کہ ان میں بعض اوقات غلطیاں ہوسکتی ہیں۔ مثلا راوی کا بھول جانا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایسے راوی کی روایت کو قبول کیا جائے یا رد۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے: ''اگر کوئی عورت اپنے سرپرست کی مرضی کے بغیر نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح باطل ہے۔'' بعض احادیث میں اصل الفاظ کی نقل کا اہتمام نہیں ہے بلکہ معنی یا مترادف الفاظ داخل ہیں۔ محدثین کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ زیادہ تر روایات بالمعنی ہیں۔ اصل الفاظ ان میں نہیں ملتے۔ حذف و اضافے اور دیگر تبدیلیوں کے باعث تحریری روایات میں تحریف ہوئی۔ دراصل مصنف کے رشتے داروں اور قریبی رفقا نے اکثر اس طرح کی تحریف کی۔ غلطی کی اس قسم کی شناخت بہت دشوار ہے۔

اسناد کی تنقید بنام متن کی تنقید

اب ہم کسی حدیث کے مستند ہونے کا فیصلہ اس کا قرآن سے موازنہ کرنے کی بنیاد پر نہیں کرتے۔ رسول اللہؐ کے صحابہ کا البتہ یہی معیار تھا۔ اس کے بجائے اب حدیث تنقید میں ہم صرف سلسلۂ راوی اور ان کے کردار کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس طریقے سے زیادہ سے زیادہ ان راویوں اور ان کو روایتوں کی صحت کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں میں یہ فکری بے عملی اور جمود عام ہے کہ وہ احادیث، تاریخی روایتوں، افکار، خیالات اور مختلف تشریحات کا قرآن سے موازنہ نہیں کرتے۔ اس کے بجائے سنت پر علم الرجال کا غلبہ ہوگیا ہے۔

ورثے میں ملنے والے مجموعۂ احادیث کو میں مسترد کرنے کا علم بردار نہیں ہوں۔ البتہ یہ ایک سنگین معاملہ ہے کہ اگر ہم کسی کتاب کو قرآن کے ہم پلہ سمجھتے ہیں تو ہم کو یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے مستند ہونے کا کیا معیار ہے اور ان تاریخی روایتوں کے مستند ہونے کا کیا معیار ہے۔ قرآن بذات خود مستند اور معتبر ہے یہ روایوں پر منحصر نہیں ہے۔ لہذا یہ لازم ہے کہ ہم حدیث کی اسناد کے ساتھ ساتھ اس کے متن کو بھی جانچیں اور پرکھیں۔ حدیث تنقید کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حدیث ان انیس معیارات پر پوری نہ اترے تو اس کو رد کردیا جاتا ہے۔ یہ انیس معیار درج ذیل ہیں:

۱۔ کوئی حدیث قرآن مستند سنت یا ارکان دین کے واضح، دوٹوک معنی کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ یہ ہمارے حواسی تجربے اور ہمارے دنیاوی مشاہدات کے برخلاف نہ ہو۔

۳۔ یہ کسی معروف سائنسی قاعدے یا قوانین فطرت سے نہیں ٹکرانا چاہیے۔

۴۔ یہ معروف تجربے یا نا قابل تردید شہادت کے برعکس نہ ہو۔

۵۔ یہ طب، فلکیات وغیرہ کے معروف سائنسی قاعدوں سے منحرف نہ ہو۔

۶۔ اس کا لسانی پہلو ایسا کم زور نہ ہو جو رسول اللہؐ کی فصاحت کی شان سے کم تر ہو۔ اس میں ایسی اصطلاحات نہ ہوں جو رسول اللہؐ کے عہد میں رائج نہیں تھیں۔

۷۔ یہ کسی ایسی غیر اخلاقی حرکت کو فروغ نہ دے جو اسلامی قانون کے مخالف ہو۔

۸۔ اس میں کوئی توہم پرستی یا خرافات نہ ہو۔

۹۔ اس میں کسی مخصوص مکتب فکر، فرقے یا قبیلے سے وفاداری کی تلقین نہ ہو۔

۱۰۔ یہ کسی ایسے معروف تاریخی حقیقت، واقعے یا آثاریاتی تحقیق کے خلاف نہ ہو، جس کے بارے میں ماہرین فن کی رائے مختلف ہو کہ اپنے وقوع کے وقت امر واقعہ ایسا نہیں تھا۔

۱۱۔ یہ کسی اہم واقعہ کا ذکر صرف ایک یا دو افراد کی شہادت پر نہ کرے، جس کو عوامی سطح پر دیکھا گیا ہو۔

۱۲۔ یہ صفات الٰہی کے اسلامی عقیدے سے متصادم نہ ہو۔ ان میں وہ تمام صفات شامل ہیں، جو اللہ سے منسوب یا منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ اسی طرح اللہ کے قابل احترام پیغمبروں کے بارے میں اس میں کوئی ایسا بیان نہ ہو، جو اسلامی عقیدے کے مطابق ان سے منسوب یا منسوب نہیں کیا جاسکتا ہو۔

۱۳۔ اس میں کسی معمولی عمل کے لیے غیر معمولی ثواب یا کسی چھوٹے گناہ کے لیے شدید عذاب کا ذکر نہ ہو۔

۱۴۔ اس کی روایت سے راوی کا کوئی ذاتی فائدہ نہ ہوتا ہو۔ یہ کسی خارجی دباؤ کے تحت بیان نہیں ہونا چاہیے۔

۱۵۔ اس میں کسی سابق مذہب یا تہذیب کے کسی عقیدے یا فلسفیانہ تعلیمات پر ایمان لانے کی تلقین نہیں ہونا چاہیے۔

۱۶۔ حدیث کے متن یا سلسلۂ راوی میں کوئی نقص یا سنگین خامی نہیں ہونا چاہیے۔

۱۷۔ یہ صحابہ کی نظر میں رد یا متنازعہ نہیں ہونا چاہیے۔

۱۸۔ اگر کسی راوی نے اس کی روایت سے انکار کردیا ہو تو یہ اس کے انکار کے بعد کی تاریخ کی نہیں ہونا چاہیے۔

۱۹۔ اس کی روایت اصل الفاظ کے مطابق اور بغیر کسی حذف اور اضافے کے ہونا چاہیے۔

میں اسلامی قانون اور تحریری روایت کے تمام طلبہ اور اپنے رفقا سے یہ اصرار کرنا چاہتا ہوں

کہ وہ اس طریقۂ کار پر عمل کریں، اس کو فروغ دیں اور اس طرح ان لوگوں کی سعی ناکام بنائیں جو صرف قرآن پر انحصار کے علم بردار ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ قرآن کے ہرگز حامی نہیں۔ آج کا دور ردِ تشکیل کا ہے لہذا محدثین کو یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ علوم حدیث کا اپنا جہاں ہے بلکہ ان کو اپنے آپ کو وسیع تر علمی برداری کا حصہ سمجھنا چاہیے۔ حدیث کے بارے میں ہمارا رویہّ شمولیت اور اتحاد کا ہونا چاہیے اور ہر روایت کے متن اور اسناد کو وسیع تر فقہی معاملات کی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ سنت نبوی کو قرآن سے کلی طور پر مربوط ہونا چاہیے تاکہ قرآن اور سنت کے درمیان کوئی اختلاف یا تنازعہ نہ ہو۔ آج کے دور میں مسلمانوں کو درپیش سماجی، معاشی، فکری اور روحانی مسائل سے عبارت دنیا میں ہمیں اس طرز فکر کو صحیح اور موثر طور پر اختیار کرنا چاہیے۔

مصنفِ کتاب

طٰہٰ جابر العلوانی (۱۹۳۵ء-۲۰۱۶ء) جامعہ الازہر سے فارغ تھے۔ وہ ایک عالمی سطح کے فاضل تھے ان کو اسلامی نظریۂ قانون، فقہ اور اصول فقہ کے موضوعات پر عبور حاصل تھا۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ OIC کی اسلامی فقہ اکیڈمی کے رکن اور Ashburn, Virginia امریکہ میں واقع قرطبہ یونیورسٹی کے صدر رہے۔

حواشی

۱۔ سنت کا اطلاق دو سطحوں پر ہوتا ہے، ایک سطح پر اس سے مراد جملہ احادیث ہوتی ہیں جن میں رسول اکرمؐ کے اقوال اور افعال شامل ہیں جو مسلمانوں کے لیے دستور حیات ہیں ۔ ایک دوسری سطح پر اس سے مراد آنحضرتؐ کا کوئی خاص عمل ہوتا ہے، مثلاً دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کی روایت، انگریزی میں پہلی صورت کے لیے "Sunnah" اور دوسری صورت کے لیے "*sunnah*" (ترچھے حروف میں) کا استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ مفہوم اور اصطلاح یا مصطلح میں ایک لطیف لیکن اہم فرق ہے۔ مفہوم یا تصور کا تعلق ایسی تعریف سے ہوتا ہے جس کو مختلف انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے اس کو ہم طریقۂ کار کی تعریف سے موسوم کرسکتے ہیں۔ اس کے برخلاف اصطلاح کی تعریف اور معنی متعین ہوتے ہیں اور وہ متعلقہ الفاظ کے ایک معروف سلسلے پر مشتمل ہوتے ہیں۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی مختصر کتابوں کا سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، جنھیں خلاصے کی شکل میں اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہوجائے۔

''**اعتدال وتوازن کی راہ پر: قرآن کی حاکمیت اور سنت کا مقام**'' اس کتاب میں اسلام میں سنت کے مقام اور قرآن سے اس کے بنیادی تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد اسوۂ رسول کی پیروی کا قابل تعریف جذبہ ہے۔ زبانی اور تحریری روایات کے ارتقا کا حساس معاملہ بھی اس تصنیف میں زیر بحث ہے۔ فضلا نے انتہائی جانفشانی سے روایات کی صحت اور راویوں کے کردار کو جانچا اور پرکھا۔ اس کاوش کے نتیجے میں احادیث کا ذخیرہ منظر عام پر آیا جس سے رسول اکرمؐ کی حیات، اقوال اور افعال اور متعدد امور کا علم حاصل ہوتا ہے۔ مصنف کی رائے میں سنت کی جمع اور تدوین کے بعد امت مسلمہ نے ان روایات کو قرآن پر ترجیح دینے کا رویہ اختیار کیا اور آپؐ کے اقوال اور افعال سے متعلق روایات کو قرآن کا جزو سمجھا گیا۔ بعد کے دور میں فقہ کو سنت پر ترجیح دی گئی اور یہ فرض کرلیا گیا کہ فقہ قرآن اور سنت پر مشتمل ہے۔

قرآن اور سنت کے مابین باہمی تعلق کی بحالی اس تصنیف کا مقصد ہے۔ اس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ سنت نبوی کلی طور پر قرآن سے اس طور پر ہم آہنگ ہو کہ دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو۔ اس طرح حدیث کا بے جا اور غلط استعمال نہ ہوگا اور دور حاضر کے مسائل اور تقاضوں کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔

Al-Ittehad Publications Pvt. Ltd

Al Ittehad Publication Pvt. Ltd.
B-35 (LGF), Nizamuddin West, New Delhi-110013
Ph.: +91-11-41827475, 24352732, 24352048
e-mail.: alittehad@gmail.com

978-93-80946-46-7
9789380946467